مولانا جلال الدین محمد بلخی رومیؒ کے کلام میں اخلاقیات
(مثنوی معنوی کے تناظر میں)

پروفیسر مسعود انور علوی کاکوروی☆

فارسی ادب میں مولانا رومؒ کی شخصیت ایک ایسے تابناک ستارہ کی مانند ہے جو اپنی خیرہ کردینے والی روشنی سے آفاق کو روشن سے روشن کرنے میں معاون ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے عہد میں مادہ پرستی، کج روی، مصلحت کوشی اور بے عملی کے پر از مصالح حجابات کے تارو پود بکھیرے اور معاشرہ کو ان خرابیوں سے پاک کیا۔ وہ حقانیت و صداقت کے پیغامبر ہیں جنہوں نے افراد کی ذہنی و روحانی پرورش کی، ایک صحت مند صالح معاشرہ کی تشکیل کی اور فکر وعمل کے باہمی رشتوں کو استوار اور مضبوط کیا۔

وہ اور ان کے حاشیہ نشین بظاہر رقص وسماع اور سرود کی محافل میں شریک ہوکر بباطن حقائق و معارف اور عرفان و آگہی کی لازوال دولت، کیفیت اور دائمی کیف آور سرور سے شاد کام ہوئے۔ انہوں نے عشق کو کائنات کی روحِ کلی بتایا جس سے ناقص عقل کی نارسائی اور منطق وفلسفہ کے دلائل کی بے بضاعتی کے پردے فاش ہوئے نیز عشق کی عقل پر فوقیت و برتری ثابت ہوئی کیوں کہ عشق ہی کے ذریعہ حقیقت مطلقہ تک رسائی ممکن و آسان ہوتی ہے:

اے بسا علم وذکاوات وفطن — گشتہ رہرو را چوغول و راہزن
زیرکی ضد شکست ست و نیاز — زیرکی بگذار و با گولی بساز
زیرکان با صنعتے قانع شدہ — ابلہان از صنع در صانع شدہ
(دفتر ششم)

مذموم ذہانت اور بہت سی ذکاوتیں و سمجھ داریاں تباہ کن ہوتی ہیں اور انسان کو مقصد سے دور کردیتی ہیں۔ انسان کو ایسی غلط چالاکی و ذہانت چھوڑ کر بھولاپن اپنانا چاہئے کیوں کہ ایسے چالاک

☆ شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

افراد دنیا میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں اور بھولے بھالے لوگ، اللہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

مولاناؒ کے یہاں عشق ومحبت کو غیر معمولی حیثیت حاصل ہے:

ملتِ عشق از ہمہ دینہا جداست　　　عاشقان را مذہب وملت خدا ست

یعنی عشق کا مذہب تمام دینوں سے منفرد وجدا ہے کیوں کہ عاشقوں کا مذہب وملت سب کچھ خدا ہی ہے:

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　　اے طبیب جملہ علتہاے ما
اے دوائے نخوت وناموسِ ما　　　اے تو افلاطون وجالینوسِ ما
جسم خاک از عشق بر افلاک شد　　　کوہ در رقص آمد و چالاک شد
ہر کرا جامہ ز عشقی چاک شد　　　او ز حرص و عیب کلی پاک شد

(دفتر اول)

عشق را با پنج وباشش کار نیست　　　مقصدِ او جز کہ جذبِ یار نیست

(دفتر ششم)

یعنی اے ہمارے اچھے جنون والے عشق! خوش رہ۔ تو ہماری تمام بیماریوں کے لیے مسیحا ہے۔ اے ہمارے تکبر اور عزت طلبی کے مداوا! تو ہی ہمارا افلاطون و جالینوس ہے۔ یہ جسم خاکی عشق ہی کی بدولت آسمانوں کی رفعتوں پر پہنچا، کوہِ طور بھی عشق کی تجلی سے رقص کناں اور ہوشیار ہوگیا۔ عشق ومحبت کے جذبے سے ہی انسانی رذائل کا دفعیہ آسان ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ جس کے عشق کی وجہ سے جامہ چاک ہوا وہ حرص وطمع اور تمام عیوب سے پاک ہوگیا۔ عشق کو چھکے و پنجے سے کوئی سروکار و واسطہ نہیں اس کا تو محبوب کی توجہ والتفات کے علاوہ کوئی اور مقصد ہی نہیں ہے۔

عشق چون کشتی بود بہر خواص　　　کم بود آفت بود اغلب خلاص

(دفتر چہارم)

زیرکی بفروش و حیرانی بخر　　　زیرکی ظن ست وحیرانی نظر

یعنی خاصانِ حق کے لیے عشق ایسی کشتی کی طرح ہے جس میں آفتیں و مصائب کم ہوتے ہیں، عموماً نجات ہی ہوتی ہے۔ چالاکی سے ہاتھ کھینچ اور حیرانی حاصل کر کیوں کہ چالاکی گمان ہے اور حیرانی مشاہدہ۔

محبت کی اثر انگیزی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

از محبت تلخہا شیرین شود — وز محبت مسّہا زرین شود
از محبت دُردہا صافی شود — وز محبت دَردہا شافی شود
از محبت خارہا گل می شود — وز محبت سرِ کہا مُل می شود
از محبت دار تختے می شود — و ز محبت بار بختے می شود
از محبت حبن گلشن می شود — بے محبت روضہ گلخن می شود
از محبت نار نورے می شود — و ز محبت دیو حورے می شود
از محبت سنگ روغن می شود — بے محبت موم آہن می شود
از محبت حُزن شادی می شود — وز محبت غول ہادی می شود
از محبت نیش نوشے می شود — و ز محبت شیر مُوشے می شود
از محبت سقم صحت می شود — وز محبت قہر رحمت می شود
از محبت خار سوسن می شود — وز محبت خانہ روشن می شود
از محبت مُردہ زندہ می شود — و ز محبت شاہ بندہ می شود

(دفترِ دوم)

۱- محبت کی وجہ سے کڑوی چیزیں بھی میٹھی ہوجاتی ہیں۔ اس کی وجہ سے تانبا سونا بن جاتا ہے۔
۲- محبت کی وجہ سے گندگیاں صاف ہوجاتی ہیں اور ان میں شفا بخشنے والی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے۔
۳- عشق کی وجہ سے کانٹے پھول بن جاتے ہیں اور سرکہ شراب کی تاثیر اختیار کرلیتا ہے۔
۴- محبت کی وجہ سے پھانسی، تخت شاہی اور مصائب و آلام کا بوجھ خوش قسمتی کا روپ اختیار کرلیتا ہے۔
۵- عشق کی وجہ سے قید خانہ، باغ بن جاتا ہے اور عشق کے بغیر باغ بھی آگ کی بھٹی بن جاتا ہے۔
۶- عشق کی وجہ سے آگ نور اور بدشکل دیو حور بن جاتا ہے۔
۷- محبت سے پتھر پگھل کر تیل بن جاتا ہے اور بغیر اس کے موم بھی لوہا ہوجاتا ہے۔
۸- عشق کی وجہ سے غم خوشی بن جاتا ہے اور راہ سے بھٹکانے والا ہادی و رہبر بن جاتا ہے۔
۹- محبت سے زہریلا ڈنک بھی شہد جیسا شیریں اور شیر جیسا شہ زور چوہا بن جاتا ہے۔
۱۰- عشق کی وجہ سے بیماری تندرستی اور قہر رحمت بن جاتا ہے۔

۱۱-محبت کی وجہ سے کانٹا، سوسن (آسمانی رنگ کا پھول) بن جاتا ہے اور تاریک گھر روشن ہوجاتا ہے۔
۱۲-محبت کی اثر انگیزی سے مردہ زندہ ہوجاتا ہے اور بادشاہ غلام بن جاتا ہے۔

مولانا کی آفاقی اقدار، فکری بصیرت اور غیر معمولی قوتِ مشاہدہ نے ان کی تعلیمات کو ہر زمانہ کے لیے اہم اور معنوی ثابت کردیا۔ اسی بنا پر وہ ماضی، حال اور مستقبل کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ ان کے سوزِ دروں نے ہر دور میں نہ معلوم کتنے افسردگان خام کو سوختہ ساماں بنا دیا:

دودِ آہِ سینۂ سوزانِ من　　سوخت این افسردگانِ خام را

یعنی میرے سینۂ سوزاں کے دھویں نے ہی نہ جانے کتنے افسردگان خام کو جلا کر راکھ کردیا۔

وہ عشق و مستی کے میرِ کارواں بھی ہیں اور سوز و گداز کے قافلہ سالار بھی۔ اسی وجہ سے ان کے پیغام کی اثر انگیزی اور آفاقیت زمان و مکان کی حدود سے نکل چکی ہے۔ فرماتے ہیں:

ہر کرا باشد ز سینہ فتح باب　　او ز ہر ذرہ ببیند آفتاب

یعنی جس کسی کو شرح صدر کی لازوال دولت مل جاتی ہے اُسے کائنات کے ہر ہر ذرہ میں آفتاب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

مثنوی شریف کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس میں حقائق و معارف اور اسرار و رموز کو اخلاقی قصوں اور لطیفوں کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے جس کی بنا پر اس کی جذب و سرمستی اور اثر انگیزی نے عوام و خواص بلکہ اخص الخواص کی محفلوں میں جگہ کرلی۔

راقم سطور احقر کے برادرِ بزرگ مولانا مولوی حافظ شاہ تقی انور علوی مدظلہ العالی نے، جو بحمد اللہ سعید و سعادت مند ہونے کی وجہ سے ہی بلاشبہ اپنے والد ماجد مدظلہٗ کے آئینۂ کمالات ہوئے ہیں، جب حضرت والد ماجد مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی سے ۱۹۷۶ء/۱۳۹۶ھ میں لفظاً لفظاً مثنوی شریف پڑھ کر ختم کی تو اس کا خاتمہ نظم فرمایا جو سراسر ان کا حال تھا مگر افسوس کہ اپنے ہزارہا عرفانی اشعار کے ساتھ اس کو بھی نذرِ آتش کردیا تھا کہ:

صد کتاب و صد ورق در نار کن　　سینہ را از عشقِ او گلزار کن

یعنی سیکڑوں کتابوں و اوراق کو خاکستر کرکے اپنے کو اس کے عشق سے گل و گلزار بنالو۔

راقم ان دنوں علی گڑھ میں ہائی اسکول کا طالبِ علم تھا حُسنِ اتفاق سے اس کے خاتمہ کے ۵۳ اشعار، میرے ذہن میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ اس وقت جی چاہا کہ چند اشعار سینے سے سفینے میں منتقل

کردوں۔ مثنوی شریف کے سلسلہ میں آنجناب مدظلہ فرماتے ہیں:

ہزار و سہ صد و نود و ششم بود — کہ فرصت دلپذیر و مغتنم بود
کہ کردم ختم من این مثنوی را — جلال الدین رومیؒ، معنوی را
کتابی محتوی بر بحثِ سری — مبرّیٰ از علومِ عقل و نقلی
معریٰ نکتہ از چون و چرایی — کہ بخشد چشم و دل را روشنایی
مصنف را جزای خیر بادا — کہ صد رحمت بروحِ پاک بادا
ز شیخِ والدم شیخِ ثقافت — فروغِ نورِ علم و ہم ہدایت
فریدون کر و فر صاحبقرانی — ہمایون سایہ بر فرش جہانی
دُرے یکتای بحرِ ہفت افرنگ — درے گنجِ سخن را مرد آہنگ
سِری ز اسرار عینِ آن شبیہ — بمصداق الولد سر ابیہ
محمد مجتبیٰ اش نام نامی — کہ مد الظل الی یوم القیامی

مولانا قدس سرہ نے مثنوی شریف میں مضامین کی کسی قسم کی ترتیب وتبویب نہیں فرمائی بلکہ چھ دفاتر (۲۵۶۳۲ اشعار جن کی صحیح تعداد قونیہ میں موجود قدیم ترین نسخہ کے بموجب ہے) میں اپنے مخصوص پیرایۂ بیان میں سب کچھ بیان فرمادیا۔ حقائق و معارف اور اسرارِ الٰہی کے بیان کے ضمن میں ان کا شعر زبان زد ہے:

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران — گفتہ آید در حدیثِ دیگران

یعنی دلبروں اور معشوقوں کے رازہائے سربستہ کو دوسروں کی زبان سے بیان کیا جانا بہتر ہوا کرتا ہے۔

حضرات صوفیہ صافیہؒ نے اپنے نثری و منظوم سرمایہ کو اپنی مخصوص اصطلاحات کے پیرہن میں جس طرح پیش کیا ہے اس کے پیچھے بھی یہی جذبہ کارفرما رہا ہے تاکہ نا اہل اور کم سواد ان کے سلسلہ میں زبان درازی سے اجتناب کریں۔

مولاناؒ کے پیشِ نظر یقیناً اپنے پیش رو حضرات فرید الدین عطار نیشاپوریؒ (۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء) اور مجد الدین آدم حکیم سَنائی غزنویؒ (۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء) کی تصانیف رہی ہونگی، چنانچہ فرماتے ہیں:

ترک جوشی کردہ ام من نیم خام — از حکیم غزنوی بشنو تمام

در الٰہی نامہ گوید شرح این آن حکیم غیب و فخر العارفین

یعنی میں نے تم کو یہ مضمون مکمل طور پر نہیں سمجھایا۔ مکمل سمجھنا ہو تو حکیم سنائی غزنویؒ کی تصنیف الٰہی نامہ پڑھ لو۔ ان اسرار کے دانا و بینا اور عارفین کے لیے قابلِ فخر بزرگ (حکیم سنائی) نے اس کی شرح فرمادی ہے۔

دیوان میں فرماتے ہیں:

ہر چیز کہ خواہی تو ز عطار بیابی دکان محیط ست و جز این نیست دکانی

یعنی تمہاری خاطر خواہ ہر چیز حضرت عطار کے یہاں مل جائے گی ان کی دکان میں سب کچھ موجود ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دکان ہی نہیں۔

مگر مولاناؒ کی مثنوی کا مقام و مرتبہ بالکل منفرد ہے۔ اس کے بیشتر اشعار اپنی دلپذیری، برجستگی، صفائی بیان، طریقۂ استدلال، طرزِ افہام میں آپ اپنی مثال ہیں۔ مثنوی شریف کی بعض حکایتوں اور روایتوں کی سند پر بہت سے اربابِ تحقیق متفق نہیں ہیں، مگر یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بعض احادیث و روایتوں کی سند اور غیر واقعیت، مقصد کے ثبوت کے سلسلہ میں ضرر رساں نہیں ہوتی۔ مولاناؒ نے ان حکایات اور قصوں سے جو نتائج اخذ کئے اور جو موثر تعلیمات پیش کیں ان کی نظیر نہیں۔ یہ تمام نتائج حکایات کا حقیقی عکس جمیل ہیں۔ اسی بنا پر مولانا نورالدین عبد الرحمٰن جامیؒ (۸۹۸ھ/ ۱۴۹۳ء) فرماتے ہیں:

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبانِ پہلوی

مثنوی مولانا رومؒ کی حیثیت فارسی زبان میں کلام الٰہی کی ہے۔

مولاناؒ نے نظم و نثر میں یہی طریقہ اپنایا ہے۔ دلیل میں نثر کا صرف ایک نمونہ پیش ہے۔ جس سے ان کی تعلیمات کی دلپذیری اور اثر انگیزی کا پتہ چلتا ہے۔

''فیہ مافیہ'' میں مولاناؒ نے لولاک لما خلقت الافلاک (اے محبوب اگر آپؐ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو آسمان و زمین کو پیدا نہ کرتا) اور حدیث شریف یالیت رب محمدٌ لم یخلق محمدًا کاش محمدؐ کا پروردگار محمدؐ کو نہ پیدا کرتا، میں اس طرح مطابقت فرمائی '' ایک شخص سے آپ قدس سرہٗ نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ کائنات کی تخلیق کا سبب ہے اس کے باوجود ارشاد فرماتے تھے کہ کاش محمدؐ کا رب محمدؐ کو نہ پیدا کرتا'' کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے۔ مولاناؒ نے اس

کے جواب میں ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک گاؤں میں ایک شخص ایک عورت کا گرویدہ ہوگیا۔ چونکہ دونوں کے گھر پاس پاس تھے رات دن عیش و کامرانی میں بسر ہونے لگے اور ایک دوسرے کی قربت و وصال سے تنومند ہوگئے۔ دونوں کی زندگی ایک دوسرے کے دم سے تھی جیسے مچھلی پانی میں ہی زندہ رہتی ہے۔سالہا سال اسی حالت میں گزر گئے۔ اچانک اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت مند بنادیا اور بہت سی بکریاں، گائیں، گھوڑے، مال و دولت، نوکر چاکر عطا کیے۔ دونوں نے مال و دولت اور شان و شوکت کی افراط کی وجہ سے (گاؤں سے نکل کر) شہر میں سکونت اختیار کرلی اور اپنے لیے الگ الگ شاندار محل خریدے اور نوکروں چاکروں کے ساتھ ایک ایک کونے میں اور دوسرا دوسرے کونے (شہر کی جانب) میں رہنے لگا۔مگر انجام کار یہ ہوا کہ اس عیش و کامرانی میں زندگی گزارنا ممکن نہ رہا۔ دونوں کے دل اندر ہی اندر جلتے۔ چُھپ چُھپ کر آہ و فغاں کرتے۔ ایک دوسرے سے ملنے اور کہنے سننے کا موقع تک نہ ملتا تھا۔ جدائی اور فراق کے یہ درد وغم حد سے بڑھ گئے۔ ہجر و فراق کی آگ نے دونوں کو جلا کر راکھ کردیا تو اللہ تعالیٰ کو ان کی اس حالت زار پر رحم آیا۔ ان کے مویشی اور اسباب راحت کم ہونے لگے اور دھیرے دھیرے اپنی پرانی حالت پر آگئے اور ایک عرصہ دراز کے بعد پھر اپنے پرانے گاؤں آ کر رہنے لگے اور عیش و وصال اور ہم آغوشی میں مشغول ہوگئے۔ وہ جب بھی ہجر و فراق کی اس تلخی کو یاد کرتے تو یہ آواز سنائی دیتی ''کاش محمدؐ کا رب محمدؐ کو نہ پیدا کرتا'' اس حکایت کے بیان کے بعد حضرت مولاناؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''چوں کہ عالمِ قدس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پاک روح تنہا تھی۔ حضرت حق تعالیٰ کے قرب میں وہ تر و تازہ و شادکام رہتی اور دریائے رحمت میں مچھلی کی طرح خوش و خرم تھی۔ حالانکہ عالمِ ناسوت میں آپؐ کو منصب رسالت و نبوت، مخلوق کی ہدایت و رہنمائی،عظمت و بادشاہی، مقبولیت و شہرت اور صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری حاصل تھی مگر جب جب آپؐ کو عالم قدس کی وہ روحانی راحت یاد آتی تو زبان رسالتؐ ارشاد فرماتی کہ کاش میں نبی نہ ہوتا اور اِس (عالمِ ناسوت) دنیا میں نہ آتا کیوں کہ ذات باری کے مطلق قرب و وصال کے سکون و آرام کے مقابلہ میں یہ سب ہیچ بلکہ تکلیف و رنج ہے۔

''باز چون بعیش اول باز گردد گوید کہ کاشکے پیغامبر نبودمی و باین عالم نیامدمی کہ نسبت بآن وصال مطلق این ہمہ مملکت بار و عذاب و رنج است''۔[۱]

۱- فیہ ما فیہ ص:۵۰۲

مثنوی شریف کے سلسلہ میں خود مولاناؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح صرف ونحو میں فاعل ومفعول کی جگہ زید، عمرو وبکر کا نام لیا جاتا ہے، اسی طرح بعض قصوں کی حیثیت ہے۔

حاش للہ این حکایت نیست بین　　نقدِ حالِ ما وتست این خوش ببین
(دفتر اول)

یعنی خبردار! اللہ بچائے یہ کوئی کہانی قصہ نہیں ہے بلکہ غور کروتو ہمارا تمہارا یہی حال ہے۔

گر شدی عطشان بحر معنوی　　فرجۂ کن در جزیرہ مثنوی
(دفتر ششم)

فرجہ کن چندان کہ اندر ہر نفس　　مثنوی را معنوی بینی وبس

یعنی تم اگر معنوی سمندر کے پیاسے ہوتو مثنوی کے جزیرہ کی سیر کرو اور اس قدر کرو کہ ہر ہر سانس میں مثنوی کو معنوی دیکھنے لگو یعنی اس کے معانی ومطالب پر غور کرو جس قدر غور وفکر وتعمق کروگے اسی قدر اس کے معارف کے دریچے تم پر وا ہوں گے۔

مثنوي ما دکانِ وحدت ست　　غیر واحد ہرچہ بینی آن بُت ست
(دفتر ششم)

یعنی ہماری مثنوی وحدت کی دکان ہے اس کے علاوہ تم جو کچھ دیکھوگے وہ بُت ہے۔

''مولانا رومؒ کی مثنوی اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب ہمارے لٹریچر میں تصوف اور معرفت کا تسلط روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ شیخ محی الدین ابن العربیؒ، شیخ صدر الدین قونویؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ وغیرہم کی تصنیفات، مذہب اور شاعری میں تصوف کی روح پھونک رہی تھیں۔ شعر میں حقیقت اور معرفت کے مضامین، تغزل کی نسبت زیادہ جی لبھانے لگے تھے۔ شیخ اکبرؒ اور ابن فارضؒ کے دیوانوں کے سامنے متنبّی اور ابو تمام کی تشبیبیں بے مزہ معلوم ہونے لگی تھیں۔ حدیقہ اور منطق الطیر نے رودکی اور عنصری کا کلام نظروں سے گرا دیا تھا۔ ایسے وقت میں مثنوی معنوی کا، جو سراسر تصوف اور حقائق سے بھری ہوئی ہے، مقبول ہونا ایسا ہی ضروری امر تھا جیسے غزنویہ و سلاجقہ کے عہد میں شاہنامے کا اور صفویہ کے عہد میں حملہ حیدری کا۔ اِس کے سوا مثنوی میں بھی صدہا عجیب وغریب قصے اور فوق العادت نقلیں اور تمثیلیں جو انسان کو بالطبع مرغوب ہیں، درج تھیں اور ان میں شریعت اور طریقت کے اسرار بیان کئے گئے تھے۔ پس مثنوی میں شعر اور تصوف کے علاوہ قصے کا

لطف اور مذہب کی عظمت بھی شامل تھی۔ یہی باعث ہے کہ مولانا رومؒ کے حق میں ''نیست پیغمبر ولی دارد کتاب'' اور مثنوی کے حق میں ''ہست قرآن در زبان پہلوی'' کہا گیا ہے۔[۱]

مولانا نے ان حکایتوں کے ذریعہ اخلاقی مسائل کی تعلیم اور کردار سازی کے لیے ضروری و اہم نکات کی تفہیم کے طریقہ کو اوجِ کمال پر پہنچا دیا اور ان کے ضمن میں نفسِ انسانی کے عیوب، پوشیدہ اسرار ایسے لطیف پیرایۂ بیان میں پیش کیے کہ عام قاری یہ کہنے پر مجبور ہوگیا: ع

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

دوسری طرف مثنوی شریف میں ایسے اشعار کی تعداد بھی خاصی ہے جن کی تشریح وتعبیر کے لیے دفتر درکار ہیں اور جن کی بنیاد مولاناؒ کے عرفان و مشاہدہ اور کشف پر ہے۔ اس میں بھی ان کا کوئی شریک ومقابل نہیں نظر آتا:

مثنوی در حجم گر بودی چو چرخ　　درنگنجیدی درین زان نیم برخ

یعنی اگر یہ مثنوی معنوی اپنے حجم میں آسمان کی طرح ہوتی تو بھی اُس عالم کے بیان کا نصف حصہ نہ سما پاتا۔

مولاناؒ کے دور میں بھی ظاہر پرست اور بعض بدبین صاحبان نے مثنوی شریف کے بعض قصص و روایات پر زبان طعن دراز کی۔ چنانچہ مولاناؒ نے ان کو مسکت جوابات دیئے اور ساتھ ہی دعا فرمائی:

عیب چینان را ازین دم کور دار　　ہم بستارئی خود اے کردگار
(دفتر ششم)

گفت حق چشم خفاش بدسگال　　بستہ ام من ز آفتاب بی مثال
از نظرہای خفاشِ کم و کاست　　انجم و آن شمس نیز اندر خفاست

یعنی اے اللہ عیب ڈھونڈنے والوں کو اپنی ستاری کے ذریعہ اس کلام سے اندھا رکھ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بدخواہ چمگادڑ کی آنکھ کو میں نے بے مثال سورج کو دیکھنے سے بند کردیا ہے۔

یعنی ستارے اور سورج سب چمگادڑوں کی ناقص نگاہوں سے پردۂ خفا میں ہیں۔

مجھ سے ایک پڑھے لکھے صاحب نے مثنوی شریف کے دفتر پنجم کی اس حکایت ''داستانِ آن

۱- حیات سعدی، از خواجہ الطاف حسین حالی، ص: ۸۰

کنیزک کہ باغرِ خاتونِ خود شہوت الخ کے سلسلہ میں فرمایا کہ یہ مثنوی میں بہت بڑا داغ ہے وغیرہ وغیرہ۔ مجھے ہنسی آئی اور ان کے علم ودانش پر کسی قدر افسوس بھی ہوا میں نے عرض کیا کہ اکیسویں صدی کے تناظر میں تو بالکل صحیح ہے۔ آج مغرب اور بعض مغرب زدہ مشرقی ممالک میں جنسی بے راہ روی کے ضمن میں کیا کچھ نہیں ہورہا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ پھر دوسری بات کہ اس حکایت اور بعض دوسری حکایات کے ضمن میں مولاناؒ نے جو حقائق ومعارف کے بے بہا گوہر بکھیرے ہیں ان پر غور کیجئے۔

تربیت اور اصلاح حال کے واسطے قصے کہانیاں اگر دلیل وبرہان کے طور پر بیان کی جائیں تو ان کا اثر جلدی اور پائدار ہوتا ہے۔ مولانا نے بھی اس قسم کی حکایات کو مثنوی شریف میں اسی باعث شامل کیا، جن کی وجہ سے ہزارہا گم گشتگانِ راہ ہدایت یاب ہوئے، نہ جانے کتنے پتھر دل موم بنے اور تضرع وانابت کے ذریعہ مقصد اصلی حاصل کرکے مقام انسانیت پر فائز المرام ہوئے۔

زیرِ نظر صفحات میں مثنوی شریف کے اخلاقی پہلو پر مختصر سی روشنی ڈالنے کی ایک ادنیٰ کوشش ہے کہ کردار سازی، آدمیت کو انسانیت سے ہمکنار کرنے اور آج کے لیے ایک صحت مند معاشرہ کی تشکیل وتعمیر کے واسطہ مولاناؒ نے کیا زریں اصول پیش فرمائے ہیں اور بیش قیمت نصیحتیں کی ہیں۔

مثنوی شریف میں اخلاقیات

اخلاق کی اہمیت ہر مذہب کے پیغامبروں نے ثابت کی ہے۔ قرآن مجید میں اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں بھی تمام زور اخلاق کی پاکیزگی اور کردار سازی پر دیا گیا ہے کیونکہ یہ سب باتوں کی اصل ہے۔ بہترین انسان کے لیے لازمی امور میں یہی ہے کہ وہ بہترین اخلاق کا مالک ہو۔ حدیث نبویؐ ہے کہ اکمل المومنین احسنھم خلقاً اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں میں سب سے زیادہ کامل وہ ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہے۔ نیز فرمایا کہ خصلتان لا یجتمعان فی مومن البخل وسوء الخلق۔ اللہ پر ایمان رکھنے والے کسی شخص میں یہ دو عادتیں جمع نہیں ہوسکتیں کہ وہ کنجوس ہو یعنی اس سے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچے اور وہ بداخلاق ہو کہ اس کی بری عادتوں سے دوسرے پریشان رہیں۔ خدمتِ خلق انسانی کردار کی اہم صفت ہے الخلق کلھم عیال اللہ فاحبھم الیہ انفعھم لعیالہ۔ تمام مخلوق کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ کے کنبہ جیسی ہے اس کے نزدیک

مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہی ہے جس سے اس کے کنبہ کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے۔تعلیماتِ نبویؐ میں یہ بھی ہے کہ خیر الناس من ینفع الناس۔ سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے، نیز لایومن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه۔تم میں کوئی شخص اللہ پر ایمان لانے والا ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا و پسند کرتا ہے۔

انسان کے اخلاق کو جو چیزیں پاکیزہ بناتی ہیں ان کو دوخانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کچھ خصائل کو اپنانا اور ان کو اپنی شخصیت کا جزو بنالینا اور کچھ عادتوں کو چھوڑنا اور ان سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ مثلاً ادب، صبر ورضا، جود و سخا، توکل، احسان، تحمل و بردباری، غصہ کو برداشت کرنا،رقتِ قلب، خدمتِ خلق، راست گوئی و راست بازی،عفو ودرگزر، بیماروں کی عیادت، شکر، اکتسابِ رزق، راہ خدا میں خرچ کرنا، ایثار، تقویٰ و پرہیزگاری، ایفائے عہد، حق شناسی وحق گزاری، عدل وانصاف، دل داری وغم گساری اور رحم دلی جیسی صفات کو اپنی ذات کا حصہ بنانا اور حرص وطمع، عُجب وخودبینی، کذب و افتراء، دل آزاری، حسد، بخل، کینہ، غیبت، طعن وتشنیع، دوسروں کو اپنے سے کمتر جاننا، خشم وشہوت، بدخواہی،خودغرضی، بدگمانی، بے ادبی وگستاخی، کفران نعمت وغیرہ جیسی بُری عادتوں سے پرہیز لازمی ہے۔

مولاناؒ نے ان تمام اخلاقی موضوعات کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ کبھی وہ ان تعلیمات کو قرآن وحدیث کے ذریعہ بیان کرتے ہیں، کبھی قصص انبیاء و حکایات اولیاء اور مختلف تمثیلات سے نتیجہ اخذ فرماتے ہیں، نیز کبھی وہ عرفانی و روحانی موضوعات کو بیان کرتے ہوئے موثر پیرایہ میں اس کی تاکید کرتے ہیں۔ کچھ حکایات تو بنیادی طور پر تہذیبِ اخلاق سے ہی متعلق ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو کلامِ الٰہی کا اصل موضوع بھی تہذیبِ اخلاق ہے۔مثنوی معنوی حکمت وعرفان کے رموز و نکات کا ایک لامتناہی سمندر ہے جس میں سے طالب غوطہ لگا کر اپنی استعداد کے مطابق موتی نکالتا ہے۔ اسی بنا پر وہ ابتدا سے اربابِ تصوف اور عارفین کے لیے صحیفہ کاملہ رہی۔ اس کے اشعار صاحبان صدق وصفا کی محفلوں کو گرماتے رہے اور وہ ان سے اکتساب فیض کرتے اور اپنے روحانی سفر میں ارتقائی منازل طے کرتے رہے۔

ادب و تعظیم

تہذیبِ نفس اور اخلاق و کردار کو سنوارنے میں ادب سب سے پہلی شرط ہے۔ قرآن مجید و احادیث مقدسہ میں اس سلسلے میں بڑی تاکید کی گئی ہے۔ حضراتِ صوفیہؒ کے یہاں بھی تمام زور ادب پر ہے۔ اس کے ضمن میں احترام، تعظیم، عزت و وقعت سب آجاتے ہیں۔ مولاناؒ نے مثنوی شریف میں مختلف حکایات کے ذریعہ ادب کی اہمیت ذہن نشین کرائی ہے۔ وہ رعایتِ ادب کی توفیق اور بے ادبی کی نحوست اور برائی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

از خدا جوئیم توفیقِ ادب — بی ادب محروم ماند از فضلِ رب

(دفتر دوم)

بی ادب تنہا نہ خود را داشت بد — بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ہر چہ آید بر تو از ظلماتِ غم — آن ز بیباکی و گستاخی ست ہم

از ادب پرنور گشت ست این فلک — وز ادب معصوم و پاک آمد ملک

بُد ز گستاخی کسوفِ آفتاب — شد عزازیلی ز جرأت رد باب

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنۂ پاکان برد

بی ادب گفتن سخن با خاصِ حق — دل بمیراند سیہ دارد ورق

ہم اللہ سبحانہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کیوں کہ بے ادب اس کے فضل و کرم سے محروم رہتا ہے۔

بے ادب صرف اپنے آپ ہی کو خراب و رسوا نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے اس فعل سے وہ تمام دنیا میں آگ لگا دیتا ہے۔

تمہارے اوپر مصیبت و غم کی جو بھی تاریکیاں آتی ہیں وہ صرف تمہاری بے ادبی و گستاخی کی وجہ سے ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ یہ آسمان صرف ادب و احترام سے ہی پرنور بنا اور ادب جیسی صفت سے ہی فرشتے معصوم و پاک ہوئے۔

سورج گرہن گستاخی و بے ادبی کی بنا پر ظہور پذیر ہوا اور شیطان اسی بے ادبی و گستاخی کی وجہ سے مردودِ بارگاہ الٰہی ہوا۔

اللہ تعالیٰ اگر کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل کو نیک لوگوں پر طعن تشنیع کرنے کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں سے بے ادبی سے، گستاخانہ بات کرنا دل کو مردہ اور اعمال نامہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔

ادب واحترام کے ضمن میں انہوں نے اُستاد کے تئیں شاگردوں کے احترام کے بارے میں بھی سخت وعید فرمائی ہے۔

نحس شاگردی کہ با استادِ خویش ہمسری آغازد و آید بہ پیش

(دفتر دوم)

وہ شاگرد بد بخت ومنحوس ہے جو اپنے اُستاد سے مقابلہ کرے اور اس کے سامنے آئے۔ العیاذ باللہ۔

صبر ایسی صفت ہے جو انسان کو بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کرنے کی طاقت عطا کرتی ہے۔ انسانی زندگی میں کتنے ہی ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں جن کی وجہ سے رنج، اذیت، تکلیف اور مصیبت کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ ذہنی سکون غارت ہوجاتا ہے۔ پراگندگی جگہ کر لیتی ہے۔ ایسے وقت میں صبر اس کو سنبھالتا ہے اور وہ یہ جان لیتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے اور اُسے ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہیے۔ قرآن بھی صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیتا ہے۔ صبر انبیاء وکاملین اور واصلین کی خاص صفت ہے اور اس میں بڑے فوائد پوشیدہ ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں: ع

صبر تلخ ست ولیکن بر شیرین دارد

صبر اگر چہ تلخ ہوتا ہے مگر انجام کار اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ الصبر و السماحۃ۔ صبر اور سیر چشمی۔ صبر کی عادت ڈالنے سے بہت سی دوسری اچھی عادتیں خود بخود پیدا ہوجاتی ہیں۔ مولاناؒ نے مثنوی شریف میں جا بجا صبر وضبط پیدا کرنے پر زور دیا اور اس کو کیمیا جیسی اہم اور ضروری چیز قرار دیا ہے۔

صبر گنج ست ای برادر صبر کن تا شفایابی تو زین رنجِ کُہن

صبر تلخ ست ویر او نیشکر ست صبر سوئے کشفِ ہر سر رہبر ست

صد ہزاران کیمیا حق آفرید — کیمیائی ہمچو صبر آدم ندید
(دفتر سوم)

گفت پیغمبرؐ خداش ایمان نداد — ہر کرا صبری نباشد در نہاد
صبر از ایمان بیابد سر کلہ — حیث لا صبر فلا ایمان لہ
(دفتر دوم)

رزق آید پیش ہر کہ صبر جست — رنج و کوششہا ز بی صبری تست
(دفتر پنجم)

بھائی! صبر کرو، صبر ایک خزانہ ہے، صبر کرنے سے اس پرانے غم سے شفا پا جاؤ گے۔
صبر کڑوا ہے مگر اس کا پھل میٹھا ہے وہ ہر راز کے کھلنے کا راہبر ہے۔
اللہ تعالیٰ نے لاکھوں اقسام کی کیمیا پیدا کیں لیکن صبر جیسی کیمیا کسی آدمی نے نہ دیکھی۔
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی فطرت میں صبر کرنا نہ ہو اللہ تعالیٰ نے اُسے ایمان نہیں عطا کیا۔
صبر نے ایمان کا تاج پہنا ہے (یعنی ایمان کا لازمی جزو صبر ہے) جس کو صبر نہیں اس میں ایمان نہیں۔
جس نے صبر اختیار کیا اس کی روزی اس کے سامنے آ گئی۔ (بیجا) محنت وکوششیں یہ سب تمہاری بے صبری کی وجہ سے ہیں۔)

ہر کہ او اندر بلا صابر نشد — مُقبلِ این درگہ فاخر نشد
(دفتر سوم)

یعنی جو مصیبت پڑنے پر صبر نہیں کرتا وہ اس قابلِ فخر بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتا۔

گفت لقمانؑ صبر نیکو ہمدمیست — کو پناہ و دافع ہر جا غمیست
(دفتر سوم)

یعنی حضرت لقمانؑ نے فرمایا کہ صبر انسان کا اچھا ساتھی ہے کیوں کہ وہ ہر جگہ غم کی پناہ اور اس کو دور کرنے والا ہے۔

صبر کرنے پر جزا کے بیان کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

چون کہ رنجِ صبر نبود مر تُرا — شرط نبود پس فرو ناید جزا
(دفتر پنجم)

حبذا آن شرط و شادان آن جزا　　　آن جزاے دلنوازِ جانفزا

یعنی جب تم کو صبر کی تکلیف ہی نہیں حاصل ہے تو چوں کہ شرط نہیں پائی جاتی اس لیے اس کی جزا نہیں یعنی جب صبر میں کوئی حکمت نہیں تو جزا کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟

جب تکلیف ہوگی تو اس کی جزا بھی خوب ہوگی اور پھر دونوں چیزیں قابلِ مبارک باد ہوں گی۔

گر تو اشکالی بکلی و حرج　　　صبر کن کا لصبر مفتاح الفرج

(دفتر اول)

اے برادر صبر کن بر درد نیش　　　تا رہی از نیشِ نفسِ گبر خویش

یعنی اگر تم سراپا اشکال و تنگی ہو تو صبر کرو کیوں کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ صبر سے تم میں ذوق و وجدان پیدا ہوں گے اور تمام اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

بھائی! سوئی سے پہنچنے والی تکلیف اور درد پر صبر کرو تا کہ اپنے بے دین نفس امارہ کے ڈنک سے نجات پالو۔

پردہ ہائے دیدہ را داروئے صبر　　　ہم بسوزد ہم بسازد شرح صدر

(دفتر دوم)

صبر و خاموشی جذوبِ رحمت ست　　　وین نشان جُستن نشانِ علت است

(دفتر سوم)

یعنی ظاہری آنکھ کے پردوں کو صبر کی دوا جلا بھی دیتی ہے اور شرح صدر بھی کر دیتی ہے۔

صبر و خاموشی رحمت الٰہی کو اپنی جانب کھینچنے والے ہیں اور دلیلیں طلب کرنا بیماری کی نشانی ہے۔

صبر کے ثمرات کے ضمن میں فرماتے ہیں:

صبر مہ با شب منور داردش　　　صبرِ گُل باخار اذفر داردش

(دفتر ششم)

صبر شیر اندر میان فرث و خون　　　کرد اورا ناعشِ ابن اللبون

صبر جملہ انبیاؑ با منکران　　　کرد شان خاصِ حق وصاحبقران

ہرکرا بینی یکی جامہ درست　　　وانکہ او آن را بہ صبر و کسب جست

ہرکرا بینی برہنہ و بینوا　　　ہست بر بی صبریِ او آن گوا

یعنی رات کے ساتھ چاند کا صبر اُسے منور بنا دیتا ہے اور پھولوں کا کانٹوں کے ساتھ ہونا اُسے مہکتا ہوا بنا دیتا ہے۔

لید اور خون کے درمیان دودھ کا صبر اُسے شیر خوار بچے کے لیے زندگی بخشنے والا بنا دیتا ہے۔

منکروں کے ساتھ صبر نے انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور اقبال مند بنا دیا۔

تم جس کسی کے اچھے لباس کو دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ اُس نے صبر اور کمائی سے حاصل کیا ہے۔

اور جس کسی کو برہنہ اور محتاج دیکھو تو جان لو کہ وہ اس کی بے صبری کی گواہی دے رہا ہے۔

چون قلاؤ و زی صبرت پَر شود — جان بادِج عرش و کرسی بر شود
(دفترششم)

مصطفیٰؐ بین چون کہ صبرش شُد براق — بر کشانیدش بہالائی طباق

چون صبوری پیشہ کرد ایوبؑ راد — از بلا اورا درِ رحمت کشاد

صبر صدر آمد بہر حالت کہ ہست — صبر را مگذار تا بتوان ز دست

صبر مفتاح الفرج نشنیدۂ — کاندرین تعجیل در پیچیدۂ

جب صبر کی رہنمائی تم پر بن جائے تو تمہاری جان عرش و کرسی کی بلندی پر پہنچ جائے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھو کہ جب صبر ان کا براق بن گیا تو وہ اُن کو آسمان کے طبقات کے اوپر لے گیا۔ جب آپؐ نے کفار و مشرکین کی ریشہ دوانیوں اور ایذا رسانیوں پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی لقاے خاص سے مشرف فرمایا۔

اسی طرح جب بہادر حضرت ایوبؑ نے صبر کو اپنا پیشہ بنا لیا تو اس مصیبت کے ذریعہ ان پر رحمت کا دروازہ کھل گیا۔

جو بھی حالت ہو صبر صدر ثابت ہوا ہے جہاں تک تم سے ممکن ہو صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

تم نے نہیں سنا کہ صبر کشادگی و فراخی کی کنجی ہے۔ کیوں جلد بازی و عجلت میں پھنسے ہوئے ہو۔

رضا بالقضا

یہ بھی صبر کی ایک صورت ہے یعنی جو حالات اور امور انسان پر ایسے وارد ہوں جن کے دفعیہ کا علاج نہ ہو اور جو اس کے قبضہ واقتدار سے باہر ہوں ان پر رضامندی و تسلیم ہی اس کے لیے فتح وکامرانی

ہے۔فرماتے ہیں:

چون قضائے حق رضای بندہ شد　　حکمِ او را بندۂ خواہندہ شد

(دفتر سوم)

یعنی بندہ جب احکامِ الٰہی پر مکمل طور پر راضی ہوگیا تو اس کا حکم بندہ کی خواہش کا درجہ حاصل کرلیتا ہے:

بی تکلف نی پی مُزد و ثواب　　بلکہ طبع او بران شد مُستطاب

(دفتر سوم)

بہر یزدان می زید نی بہر گنج　　بہر یزدان می مرد نز خوف ورنج

ہست ایمانش برای خواہ او　　نی برای جنت واشجار وجو

ترکِ کفرش ہم برای حق بود　　نے ز بیمِ آن کہ در آتش رود

آنگہان خندد کہ او بیند رضا　　ہمچو حلوا و شکر او را قضا

بندۂ کش خوی و خلقت این بود　　نے جہان بر امر و فرمانش رود

یعنی یہ رضا بالقضا اس کی فطرت بن جاتی ہے وہ بغیر لطف کے نہ کہ بدلہ اور ثواب کے لیے راضی ہوتا ہے۔

وہ اللہ کے لیے جیتا ہے، نہ کہ دنیاوی خزانہ (کے حصول) کے لیے اور اسی کے لیے مرتا ہے، نہ کہ رنج وخوف کی خاطر۔

اس کا ایمان اللہ کی رضامندی کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ جنت اور اس کے درختوں ونہروں کے لیے۔

کفر سے اس کی دوری وعلیحدگی بھی اللہ کی خوشنودی کے لیے ہے، دوزخ میں جانے کے ڈر سے ہرگز نہیں۔

وہ اُسی وقت ہنستا ہے جب حق تعالیٰ کی رضا دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم اُس کے لیے حلوے اور شکر کی طرح شیریں ہے۔

جس بندہ کی یہ عادت وخصلت ہوجائے تو ساری دنیا اس کے حکم وفرمان کے مطابق چلتی دکھائی دے گی۔

قضائے الٰہی کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں:

چون قضا آید شود دانش بخواب　　مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب
(دفتر اول)

این قضا ابری بود خورشید پوش　　شیر و اژدرہا بود زو ہمچو موش

یعنی جب قضا آتی ہے تو عقل سو جاتی ہے، چاند کالا ہوجاتا ہے اور سورج کو گرہن لگ جاتا ہے۔ یہ سورج کو چھپا لینے والا ابر ہے اس سے شیر واژدہا چوہے کی طرح بن جاتے ہیں۔

چون قضا آید نماند فہم ورای　　کس نمی داند قضا را جُز خدای
(دفتر اول)

چون قضا آید فرو پوشد بصر　　تا نداند عقلِ ما پا را زِ سَر

زان امام المتقینؑ داد این خبر　　گفت اذا جاء القضا اعمی البصر

یعنی جب قضا آتی ہے تو عقل وسمجھ نہیں رہتی ہے۔ قضا کو سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ جب قضا آتی ہے تو ہماری آنکھیں بند کردیتی ہے تاکہ ہماری عقل سر پیر کے درمیان تمیز سے عاجز ہوجائے۔

اسی واسطہ متقیوں کے امام حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا" جب قضا آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں۔

مولانا روم دفتر سوم میں فرماتے ہیں:

چون قضا بیرون کند از چرخ سر　　عاقلان گردند جملہ کور و کر

ماہیان افتند از دریا برون　　مرغِ پرّان گردد از دامی زبون

تا پری و دیو در شیشہ شود　　بلکہ ہاروتی ببابل دَر رَود

جُز کسی کاندر قضا اندر گریخت　　خونِ اورا ہیچ تربیعی نہ ریخت

غیر آن کہ در گریزی در قضا　　ہیچ حیلہ ندہدت از وی رہا

قضا جب آسمان سے سر نکالتی ہے تو سارے عقلمند اندھے بہرے ہوجاتے ہیں۔

مچھلیاں دریا سے باہر نکل پڑتی ہیں اڑنے والا پرندہ ایک جال سے عاجز آجاتا ہے۔

یہاں تک کہ دیو، پری بوتل میں بند ہوجاتے ہیں (یعنی بے بس ہوجاتے ہیں) بلکہ ہاروت چاہ بابل میں چلا جاتا ہے۔

جو کوئی قضا کی پناہ میں آ جاتا ہے (بچ جاتا ہے) اور منحوس سے منحوس اثر کا شکار نہیں ہو پاتا۔
سوا اس کے کہ تم قضا کی طرف بھاگو کوئی تدبیر تمہیں رہائی ونجات نہیں دلا سکتی۔
قضا کے سامنے سر جھکا دینا ہی انسان کے لیے بہتر ہے:

با قضا پنجہ مزن اے تند و تیز — تا نگیرد ہم قضا با تو ستیز
(دفتر اول)

مُردہ باید بود پیشِ حکم حق — تا نیاید زحمت از رب الفلق

یعنی اے تند و تیز! خدائی فیصلہ کا مقابلہ نہ کرتا کہ قضا تجھ سے برسر پیکار نہ ہو۔
حکم الٰہی کے سامنے تو سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے تا کہ رب الفلق یعنی اللہ کی جانب سے عذاب نہ آئے۔

چون خدا خواہد کہ مردی بفسرد — سردی از صد پوستین ہم بگذرد
در وجودش لرزۂ بنہد کہ آن — نی ز آتش کم شود نی از دُخان
بر تنِ او سردی بنہد چنان — کان بجامہ ہم نگردد و آتش آن
چون قضا آید طبیب ابلہ شود — وان دوا در نفع ہم گمرہ شود
(دفتر پنجم)

جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کوئی انسان سردی سے ٹھٹھرے تو ٹھنڈک سیکڑوں کھالوں کو چیرتی ہوئی گزر جاتی ہے۔
اور اس کے جسم میں ایسی کپکپی پیدا کر دیتی ہے جو نہ آگ سے کم ہوتی ہے نہ دھوئیں سے۔
اس کے بدن میں ایسی ٹھنڈک پیدا کر دیتی ہے کہ وہ کپڑوں اور آگ اوڑھنے لپیٹنے یا تاپنے سے بھی نہیں دور ہوتی۔
قضاء الٰہی سے ہر دوا بیکار ہو جاتی ہے طبیب احمق بن جاتا ہے اور الٹی دوا تجویز کر بیٹھتا ہے جو راہ سے بے راہ کر دیتی ہے۔
مولاناؒ نے تیسرے دفتر میں دو احادیث الرضا بالکفر کفر یعنی کفر پر رضامندی کفر ہے نیز اس حدیث من لم یرض بقضائی و لم یصبر علی بلائی فلیطلب ربا سوائی یعنی جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہوا اور میری جانب سے نازل شدہ بلا پر اس نے صبر نہ کیا تو اُسے میرے علاوہ دوسرا

کوزۂ چشم حریصان پُر نشد تا صدف قانع نشد پُر دُر نشد

یعنی لالچی لوگوں کی آنکھ کا پیالہ کبھی نہیں بھرتا۔ سیپ جب تک قناعت والی نہیں ہوتی اس میں موتی نہیں بھرتے، یعنی اگر وہ پانی کے قطرے اپنے اندر بھرتی رہے اور منھ نہ بند کرے تو ہر قطرہ بیکار چلا جائے گا۔

قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو ہرایک کے ہاتھ نہیں آتا اور جب ایک بار آ گیا تو پھر وہ شخص بادشاہ بن جاتا ہے۔

قاضی عبدالمقتدر شریکی دہلویؒ (م ۱۹۷ھ/۹۸۳۱ء) فرماتے ہیں۔

فاقنع من العیش بالادنی تکن ملکا ان القناعۃ کنز عنک لم یزل

ولاتکن لمزید الرزق مضطربا واقنع بما قسم القسام فی الازل

یعنی تم تھوڑے سے اسباب زندگی پر قناعت کرلو تو بادشاہ رہوگے کیوں کہ قناعت ایسا خزانہ ہے جو لازوال ہے اور مزید رزق کے حصول کے لیے پریشان مت ہو۔ اس چیز پر قانع ہوجاؤ جسے قسام ازل نے تمہارے لیے ازل ہی میں لکھ دیا ہے۔

مولاناؒ فرماتے ہیں:

چون قناعت را پیمبرؐ گنج گفت ہر کسے را کے رسد گنج نہفت

(دفتر پنجم)

از قناعت ہیچ کس بیجان نشد از حریصی ہیچ کس سُلطان نشد

آنچناں کہ عاشقی بر رزق زار ہست عاشق رزق ہم بر رزق خوار

گر تو شتابی بیاید بر درت ور تو بشتابی دہد دردِ سرت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قناعت کو خزانہ سے تعبیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے ہر شخص کو چھپا ہوا خزانہ کب ملتا ہے۔

قناعت اختیار کرنے سے کوئی شخص ہلاک نہیں ہوا اور نہ لالچ کرنے سے کوئی شخص بادشاہ بن سکا۔

جس طرح تم رزق کے عاشق زار ہو اسی طرح رزق بھی تمہارا عاشق ہے۔

اگر تم صبر کروگے تو وہ خود تمہارے دروازہ آجائے گا اور اگر اس کے پیچھے دوڑوگے تو وہ تمہارے سر میں درد کردے گا۔

صرف قناعت کے لفظ کو رٹنے سے اصل قناعت کی صفت دم نقد نہیں ہوتی بلکہ اس کو اپنا حال بنالینا چاہیے۔

از قناعت کے تو جان افروختی　　از قناعتہا تو نام آموختی

(دفتر اول)

گفت پیغمبرؐ قناعت چیست؟ گنج　　گنج را تو وا نمی دانی ز رنج

این قناعت نیست جُز گنجِ روان　　تو مزن لاف اے غم ورنج روان

یعنی تم نے قناعت سے اپنی روح کہاں روشن کی؟ تم نے تو قناعتوں کا صرف نام رٹ لیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ قناعت کیا ہے؟ ایک خزانہ ہے تم رنج اور گنج میں فرق نہیں سمجھتے ہو۔ یہ قناعت چلتے پھرتے خزانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اے چلتے پھرتے رنج وغم تو ڈینگیں نہ مار۔

سر کہ مفروش و ہزاران جان ببین　　از قناعت غرق بحرِ انگبین

(دفتر اول)

یعنی ترش روئی مت کرو دیکھو کہ ہزاروں جانیں قناعت کی وجہ سے شہد کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہیں۔

توکل

اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل ایمان کا جزو ہے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ مولاناؒ نے متعدد حکایتوں کے ذریعہ اس مسئلہ کو دلپذیر انداز میں سمجھایا ہے کہ توکل کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ انسان کوشش ہی نہ کرے بلکہ کوشش کرے اور پھر اللہ پر اعتماد وبھروسہ کرے، تاکہ بہتر نتیجہ حاصل ہوسکے۔

گفت پیغمبرؐ بآوازِ بلند　　با توکل زانوئے اشتر ببند

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو　　از توکل در سبب کاہل مشو

گر توکل می کنی در کار کن　　کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

در توکل کسب وجہد اولیٰ تر ست　　تا حبیبِ حق شوی این بہتر ست

حمد می گوید خدا را عندلیب　　کاعتماد رزق بر بست اے مجیب

شکر می گوید خدا را فاختہ　　بر درخت و برگ شب را ساختہ

جہد می کن تا توانی اے کیا　　در طریقِ انبیاء و اولیاء

جہد کن جدے نما تا وارہی　　گر تو از جہدش بمانی ابلہی
نیست کسبے از توکل خوبتر　　چیست از تسلیم خود محبوب تر
آن کہ او از آسمان باران دہد　　ہم تواند کو برحمت نان دہد

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ بانگ دہل (علی الاعلان) فرمایا کہ اونٹ کے رسی باندھو اور پھر اس کی حفاظت اللہ کے بھروسہ پر کرو یعنی حفاظت کے طریقے بھی اختیار کرو۔

کمانے والا اللہ کا پسندیدہ ہوتا ہے اس نکتہ کو سنو اور توکل کی وجہ سے سبب کے معاملہ میں سستی نہ کرو۔

تم اگر توکل کرتے ہو تو کام میں لگ کر کرو، کماؤ اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

کیوں کہ توکل میں کمائی اور کوشش زیادہ بہتر ہے یہ بہتر ہے کہ تم اس طرح اللہ کے محبوب ہو جاؤ۔

دیکھو بلبل! اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتی ہے کہ اے قبول کرنے والے رزق کا تیرے اوپر بھروسہ ہے۔ فاختہ تک اس پر توکل کر کے اگر چہ رات کے کھانے پینے کا اُس نے کوئی انتظام نہیں کیا ہوتا ہے، اس کا شکر پیڑ پر کرتی رہتی ہے۔

تم میں سے اے عقلمند جس قدر بھی ہو سکے انبیاء واولیاء کے طریقہ پر، کوشش کرتا رہ۔

تن دہی و کوشش کرتے رہو تا کہ نجات پا جاؤ کیوں کہ اگر توکل کے ساتھ کوشش کرنے سے باز رہو گے تو بیوقوف ہو گے۔

توکل سے بہتر کچھ نہیں ہے۔ تسلیم و رضامندی سے زیادہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ چیز کیا ہے؟ غور کرو جو آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے وہی یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنے کرم سے تم کو روزی دے۔

توکل اور کسب کے سلسلہ میں مزید وضاحت فرماتے ہیں۔ توکل بھی کسب کا ایک طریقہ ہے دوسرے طریقوں میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور اس میں کسی دوسرے پیشہ کی ضرورت نہیں۔

کسب کردن گنج را مانع کے ست　　پاکش از کار آن خود در پے ست
تا نگردی تو گرفتارِ اگر　　کہ اگر این کردی یا آن دگر
(دفتر دوم)

یعنی انسان کے لیے کما کر کھانا کب منع ہے؟ کام سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ وہ تمہارے پیچھے ہے۔

اگر مگر میں قطعی نہ پھنسو کہ اگر میں یہ کرتا یا وہ کرتا، کیوں کہ اگر مگر سے سوائے بعد میں افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے۔

آنکہ گندم را ز خود روزی دہد　　کے توکلہات را ضائع کند

(دفتر سوم)

یعنی خدا تو وہ ہے جو گیہوں یعنی رزق کو بھی رزق دیتا ہے وہ تمہارے توکل کو بھلا کب ضائع کرے گا:

گفت من بہ از توکل بر ربے　　می ندانم در دو عالم مکسبے

(دفتر پنجم)

کسب شکرش را نمی دانم ندید　　تا کشد شکرِ خدا رزقِ مزید

خود توکل بہترین کسبہا ست　　زان کہ در ہر کسب دستت بر خداست

کاے خدا کارِ مرا تو راست آر　　وین دُعا ہست از توکل در سرار

در توکل ہیچ نبود احتیاج　　فارغی از نقص ریع و از خراج

یعنی اس نے کہا کہ میں دنیا میں اللہ پر توکل سے بہتر کوئی کمائی نہیں سمجھتا۔

اور نہ اس کا شکر ادا کرنے کی کمائی میں کوئی دوسری مثال۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا نعمتوں پر شکر اس کی مزید نعمتوں کو مقدر کرتا ہے۔ ارشاد گرامی ہے: لان شکرتم لازیدنکم، اگر تم شکر کروگے تو میں تم کو اپنی مزید نعمتیں دوں گا۔

توکل بذات خود بہترین اکتساب ہے کیوں کہ ہر اکتساب میں تم اللہ کی جانب ہاتھ اٹھائے ہوئے ہو۔

کہ اے اللہ تو میرے کام درست کردے سمجھ لو کہ یہ دعا در اصل توکل ہی ہے۔

توکل میں کوئی حاجت نہیں ہوتی بلکہ تم نقصان، لگان اور خراج سب سے فارغ ہوتے ہو۔

رزق کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس لیے انسان بلا وجہ جا بیجا طریقوں سے اس کے پیچھے سرگرداں رہتا ہے اور سکون وطمانیت قلبی کی دولت سے ہاتھ دھوتا ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، اس لیے رزق خود بندہ کو تلاش کرکے اس تک لامحالہ پہنچ جاتا ہے۔

ہین توکل کن مَلَرزان پا و دست　　رزقِ تو بر تو ز تو عاشق تر ست

عاشق ست و میزند او مول مول　　کہ ز بے صبریت داند اے فضول
گر ترا صبرے بدے رزق آمدے　　خویشتن چون عاشقان بر تو زدے
این تب ولرزہ ز خوف جوع چیست　　در توکل سیر می تانید زیست

یعنی تمہارا رزق تم سے زیادہ تم پر عاشق ہے اس لیے توکل کرو اور ہاتھ پاؤں نہ لرزاؤ۔
رزق تمہاری بے صبری کو خوب جانتا ہے، اس لیے وہ تم کو پکارتا ہے کہ ٹھہرو بیجا تگ و دو نہ کرو۔
اگر تم میں صبر ہوتا تو رزق خود بہ خود تمہارے پاس آجاتا اور عاشقوں کی طرح اپنے آپ کو تم پر لاڈالتا۔
تم رزق کی فکر میں گھلے جارہے ہو۔ جاڑا بخار بھوک کے خوف سے کیوں چڑھ رہے ہو تم توکل میں پیٹ بھرے ہوکر زندہ رہ سکتے ہو۔

احسان اور تحمل و بردباری

یہ انسانیت کی اعلیٰ اقدار میں اہم قدریں ہیں۔ جن کے ذریعہ عالمی سطح پر بھی آج کے بہت سے مسائل کا حل ممکن ہے۔ اگر دوسروں کی غلطیوں ولغزشوں اور اپنے اوپر ہوئی زیادتیوں پر تحمل و برداشت کا رویہ اختیار کریں تو بہت سی مشکلات کا دفعیہ ہوسکتا ہے۔ مولاناؒ نے جا بجا مختلف اشعار میں دلنشیں انداز سے اس کی تعلیم دی ہے۔ نیز احسان اور دوسروں کے ساتھ بھلائی کا طریقہ اپنانے پر زور دیا ہے اور ''احسان کا بدلہ احسان'' کے مفہوم کو واضح کیا ہے۔

چیست احسان را مکافات اے پسر　　لطف و احسان و ثواب معتبر
(دفتر اول)

یعنی اے بیٹے! تم جانتے ہو احسان کا بدلہ کیا ہے؟ اس کا بدلہ مہربانی، احسان اور معقول ثواب ہے۔

فکر کن در راہ نیکو خدمتے　　تا نبوت یابی تو از امتے

یعنی لوگوں کی بھلائی کے لیے ہمیشہ کمر بستہ رہو تاکہ امت میں رہتے ہوئے مقام نبوت حاصل ہوجائے۔ یہاں نبوت کا مطلب اس اصطلاحی نبوت کی وسیع تعلیمات سموئے ہوئے ہے۔
نیک عمل اور احسان کبھی مرتے نہیں ہیں۔

محسنان مردند و احسانہا بماند　　اے خنک آن را کہ این مرکب براند
(دفتر چہارم)

مُرد مُحسن لیک احسانش نمُرد　　نزد یزدان دین و احسان نیست خرد

یعنی احسان کرنے والے مرگئے مگر ان کے احسانات باقی ہیں۔ جن لوگوں نے یہ احسانات کئے وہ لوگ قابلِ مبارک باد ہیں۔

(کیونکہ) احسان کرنے والا فوت ہوگیا لیکن اس کا احسان نہیں مرا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اور احسان کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

احسان و کرم میں مومن و کافر کی تخصیص نہیں، جس طرح رحمتِ الٰہی ہر خاص و عام کو پہنچتی ہے۔

از کمالِ رحمت و موجِ کرم　　می دہد ہر شورہ را باران و نم

(دفتر چہارم)

یعنی وہ رحمت کے کمال اور اپنے کرم کی موج سے ہر شور زمین کو بارش اور نمی پہنچاتا ہے۔

اے سلیمانؑ درمیانِ زاغ و باز　　حِلم حق شو با ہمہ مُرغان بساز

(دفتر چہارم)

یعنی اے سلیمان! کوے و باز یعنی اچھے و برے انسانوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا حلم بن جاؤ اور تمام پرندوں یعنی انسانوں سے نباہ کرو۔

تیغِ حلم از تیغِ آہن تیز تر　　بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

خیر کن با خلق بہر ایزدت　　یا برائے راحتِ جانِ خودت

چارۂ دفع بلا نبود ستم　　چارہ احسان باشد و عفو و کرم

گفت الصدقة ترد للبلا　　داو مرضاک بصدقة یا فتیٰ

(دفتر ششم)

یعنی حلم و بردباری کی تلوار لوہے کی تلوار سے زیادہ تیز و موثر ہوتی ہے بلکہ سیکڑوں فتح مند لشکروں سے زیادہ ظفر انگیز ہوتی ہے۔

مخلوق خداوندی کے ساتھ اس کی خاطر یا اپنے دل کے سکون و آرام کی خاطر بھلائی کرتے رہو۔

مصیبت ٹالنے کی یہ تدبیر نہیں کہ ظلم کیا جائے بلکہ لوگوں کے ساتھ احسان اور عفو و کرم کا معاملہ کیا جائے۔

آپؐ نے فرمایا کہ صدقہ مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ اے نوجوان! اپنے مریضوں کا صدقہ کے ذریعہ

علاج کرو۔

تواضع

مولاناؒ نے تواضع و انکساری اور فروتنی وعاجزی کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے پر زور دیا ہے کیونکہ تواضع وفروتنی اہل کمال کی نشانیاں ہیں اور تکبر واستکبار ناقصین کی واضح علامتیں۔

فروتنی ست دلیل رسیدگانِ کمال　　کہ چون سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

یعنی عاجزی وفروتنی کمال پر پہنچے لوگوں کی علامت ہے کہ جب سوار اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو گھوڑے یعنی سواری سے اتر پڑتا ہے۔

چون خدا خواہد کہ مان یاری کند　　میلِ ما را جانب زاری کند

(دفتر اول)

یعنی اللہ تعالیٰ جب ہم لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہے تو ہمیں انکساری کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

اس انکساری وتواضع کے ساتھ مولاناؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ متکبرین کے ساتھ تکبر درست ہے کیوں کہ ان کے سامنے تواضع وعاجزی ان کے تکبر میں مزید اضافہ کرے گی۔

حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکوروی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

فقیر کو ہے تکبر امیر سے واجب　　کہ عاجزی میں یہاں فقر کی حقارت ہے

☆☆☆

آن تکبر بر خسان خوب ست و چست　　ہیں مرو معکوس عکسش بندِ تست

(دفتر چہارم)

یعنی کمینوں کے ساتھ تکبر اچھا ہے۔ خبردار اُلٹے مت چلو کیوں کہ اس کا الٹا تمہاری بیڑی ہے۔ یعنی اگر اس کے ساتھ تم ایسا نہ کرو گے تو وہ تمہارے لیے مضر ہوگا۔

جود وسخا اور انفاق

یہ بھی انسان کے لازمی صفات ہیں۔ کیوں کہ سخاوت وفیاضی انسانی شخصیت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں یعنی اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینا اور ان کی تکمیل کرنا لازمی ہے۔ جود وسخا اور انفاق فی سبیل اللہ انبیاء علیہم السلام اور خدا رسیدہ اشخاص کی شخصیت کے خصوصی جوہر رہے

ہیں، جن کی وجہ سے بہت سی دوسری صفات خود بخود پیدا ہوجاتی ہیں۔

مولانا نے ان صفات کو مختلف حکایات کے ذریعہ بیان فرمایا ہے:

صد نشان باشد درون ایثار را　　صد علامت ہست نیکو کار را

(دفتر چہارم)

مال در ایثار اگر گردد تلف　　در درون صد زندگی آید خلف

یعنی انسان کی طبیعت میں اگر سخاوت وایثار کا مادہ ہوتا ہے تو اس کے سیکڑوں آثار ظاہر ہوجاتے ہیں۔

اگر ایثار کرنے میں اس کا سارا مال ختم ہوجائے (تو کوئی بات نہیں) اس کے بدلہ میں اس کے باطن میں سیکڑوں زندگیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

گفت پیغمبرؐ کہ در بازارہا　　دو فرشتہ می کند از دل دعا

کاے خدا تو منفقان را دِہ خلف　　وے خدا! تو ممسکان را دِہ تلف

کاے خدا تو منفقان را سیر دار　　ہر درمشان را عوض دہ صد ہزار

(دفتر دوم)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو فرشتے سربازار یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ تو خرچ کرنے والوں کو اس کا عوض دے اور کنجوسوں کو ہلاک فرما۔

خرچ کرنے والوں کو مزید سیر چشمی عطا فرما اور ان کے ہر ہر درم پر انہیں لاکھوں درم عطا فرما۔

سخاوت کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا السخی حبیب الله۔ سخی شخص اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔

سخاوت جنت میں ایک درخت ہے اس کی ایک شاخ دنیا میں ہے جو اُسے پکڑ لیتا ہے وہ جنت میں چلا جاتا ہے:

نے نبیؐ فرمود جود و محمدہ　　شاخ جنت وان بدنیا آمدہ

(دفتر ششم)

کیا حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ سخاوت و اچھائی جنت کے درخت کی شاخ ہے جو اس دنیا میں آ گئی ہے:

تا بگفتہ مصطفیؐ شاہِ نجاح　　السماحُ یا اولی النعماء رباح

(دفتر ششم)

ما نقص مال من الصدقات قط　　انما الخیرات نعم المرتبط

یہاں تک کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اے اہلِ نعمت! سخاوت کرنا نفع کمانا ہے۔

خرچ کرنے سے کبھی کمی نہیں ہوتی بلکہ خیرات کرنے سے اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔ لہٰذا صدقہ و خیرات کرنا بہت ہی اچھا ہے۔

مولاناؒ نے حضرت ابراہیمؑ کی حکایت سے اس کی تعلیم کا استشہاد فرمایا ہے:

گر نماند از جود در دستِ تو مال　　کے کند فضلِ الٰہت پائمال

(دفتر اول)

یعنی اگر تم راہِ خدا میں مال خرچ کروگے تو وہ اس کے بدلہ میں تم کو ذلیل وخوار نہ ہونے دے گا۔ اگر تمہاری سخاوت کی وجہ سے مال سے تمہارا ہاتھ خالی ہوگیا، تو فضلِ الٰہی تمہیں برباد نہ کرے گا:

جود محتاج ست و خواہد طالبے　　ہمچنان کہ توبہ خواہد تائبے

(دفتر اول)

جود می جوید گدایان و ضعاف　　ہمچو خوبان کائنہ جویند صاف

روئے خوبان ز آئینہ زیبا شود　　روئے احسان از گدا پیدا شود

پس گدایان آئینہ جودِ حق اند　　وانکہ با حق اند جودِ مطلق اند

یعنی سخاوت خود ضرورت مند ہے اور طلب گار کو اسی طرح چاہتی ہے جس طرح توبہ، توبہ کرنے والے کو چاہتی ہے۔

سخاوت فقیروں و کمزوروں کو تلاش کرتی ہے جیسے حسین، صاف آئینہ تلاش کرتے ہیں۔

جس طرح حسینوں کا چہرہ آئینہ سے حسین بنتا ہے، اسی طرح احسان کا چہرہ فقر سے رونما ہوتا ہے۔

فقراء اللہ تعالیٰ کی سخاوت کا آئینہ ہیں اور جو لوگ اللہ سے وابستہ ہیں وہ سراپا سخاوت ہیں:

این سخا شاخیست از سروِ بہشت　　وائے او کز کف چنین شاخی بہشت

تا برو شاخِ سخا اے خوب کیش　　مر ترا بالا کشان تا اصلِ خویش

خدمت خلق

یہ ایسی اہم صفت ہے جس کو اپنا کر انسان احسن تقویم کے زمرہ میں جگہ پاتا ہے۔ یہ جذبہ انسان میں اور بہت سی دوسری صفات پیدا کرتا ہے جن میں حق گزاری، حق شناسی، رقت قلب، احساس، رحمدلی،

دلداری و دل آسائی، عدل وانصاف، نفاق سے دوری، وغیرہ سرفہرست ہیں۔ انبیاء علیہم السلام و صوفیائے کرامؒ نے اس صفت کو بہت اہمیت دی ہے کہ مخلوق کی خدمت، در اصل خالق کی خدمت ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست　　بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

یعنی اصل عبادت مخلوق خدا کی خدمت گزاری ہے نہ کہ ہر وقت تسبیح وسجادہ اور گدڑی میں لگے رہنا۔

بنی آدم اعضائے یک پیکرند　　کہ در آفرینش زیک گوہرند
چو عضوے بدرد آورد روزگار　　دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنتِ دیگران بے غمی　　نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی آدم کی اولاد آدمی ایک جسم کے مختلف حصے ہیں کیوں کہ ان کی تخلیق میں ایک ہی جوہر کی کارفرمائی ہوا کرتی ہے۔ زمانہ اگر کسی ایک عضو کو درد وتکلیف میں مبتلا کرتا ہے تو دوسرے اعضا کو چین نہیں پڑتا۔ تو جو دوسروں کی تکلیف سے بے غم ہے، اس قابل نہیں کہ تجھے آدمی کہا جائے۔

مولاناؒ اپنے مخصوص لہجہ میں فرماتے ہیں:

رنجِ یک جُزوے زتن رنجِ ہمہ ست　　گردم صُلح ست یا خود ملحمہ است

(دفتر چہارم)

یعنی جسم کے ایک جزو (عضو) کی تکلیف سب کی تکلیف ہے خواہ وہ صلح کا وقت ہو یا جنگ کا:

رنجِ بد خویان کشیدن زیر صبر　　منفعت دادن بخلقان ہمچو ابر

(دفتر ششم)

خیرُ ناس ان ینفع الناس اے پدر　　گر نہ سنگی چہ حریفی با مدر

یعنی حدیث شریف ہے کہ لوگوں کی بد اخلاقی پر صبر کرو اور بادل کی طرح ان کو نفع پہنچاؤ۔

بابا! بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے اگر تم پتھر نہیں ہو تو ڈھیلوں سے دوستی کیسی یعنی انسان کا کام نہیں کہ وہ ڈھیلوں سے دوستی کرے۔

خدمتِ خلق کے سلسلہ میں مولاناؒ نے اس کافر ومنکرِ خدا کی حکایت شرح و بسط سے بیان فرمائی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکارمِ اخلاق کی ایک مثال ہے:

کافران مہمانِ پیغمبرؐ شُدند　　وقتِ شام ایشان بہ مسجد آمدند
(دفتر پنجم)

یعنی کافر، پیغمبرؐ خدا کے مہمان ہوئے۔ شام کے وقت وہ مسجد نبویؐ میں آ گئے۔

حضورؐ نے خاطر وتواضع میں کسر نہ چھوڑی۔ رات کو ایک کافر نے حضورؐ کے بستر مبارک پر سوکر اس کو غلاظت ونجاست سے ناپاک کردیا۔ حضور انورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کی ساری نجاست کو دھویا اور صاف فرمایا اور چہرۂ پاک پر شکن تک نہ آئی:

رحم وکرم کے بارے میں فرماتے ہیں:

رحم خواہی رحم کن بر اشکبار　　رحم خواہی برضعیفان رحم آر
(دفتر اول)

یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ تم پر رحم کیا جائے تو رونے والوں اور کمزوروں پر رحم کرو۔

نفاق

مولاناؒ نے نفاق سے دوری اور ظاہر وباطن میں یکسانیت پر جا بجا زور دیا ہے۔ منافق دوسروں کے لیے بھی اور اپنی ذات کے لیے بھی بُرا ہوتا ہے۔ بزرگوں نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ ظاہری وباطنی تضاد سے انسان کو دور رہنا چاہیے، ورنہ اس کا انجام دونوں جہان میں رسوائی وخرابی ہے۔ اسی بنا پر منافق کے لیے وعید آئی ہے کہ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ یقیناً منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے:

ظاہر و باطن اگر باشد یکے　　نیست کس را در نجات او شکے
(دفتر دوم)

قول وفعل بے تناقض بایدت　　تا قبول اندر زمان پیش آیدت
(دفتر پنجم)

یعنی جس کا ظاہر و باطن ایک ہو اس کی نجات میں کسی کو بھی کوئی شک نہیں۔

تمہارے قول وفعل میں اختلاف نہ ہونا چاہیے ورنہ دنیا میں تم کو مقبولیت نہ حاصل ہو سکے گی۔

مولاناؒ نے صدقِ دل سے رونے کی عظمت اور نفاق ومکر سے بناوٹی رونے کی بے وقعتی کو بھی بیان فرمایا ہے:

گریۂ با صدق بر جانہا زند　　تا کہ چرخ وعرش را گریان کُند
(دفتر پنجم)

گریۂ بے صدق و بے سوزش بود　　دیو دون بر گریہ اش خندان شود
گریۂ بے صدق باشد بے فروغ　　آن ندارد چربی ماندِ دوغ

یعنی مولانا فرماتے ہیں کہ سچائی کے رونے کا اثر دنیا ہی تک نہیں بلکہ عرش تک پہنچتا ہے۔ سچائی کے ساتھ رونا، روحوں کو بھی متاثر کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ آسمان اور عرش کو بھی رُلا دیتا ہے۔

چونکہ بناوٹی رونا بغیر سوزش کے ہوتا ہے اس لیے کمینہ شیطان بھی اس کے رونے پر ہنستا ہے۔

بناوٹی رونا بے فروغ ہوتا ہے، اس میں چھاچھ کی طرح مکھن نہیں ہوتا ہے۔

کظم غیظ وعفو ودرگزر

قرآن مجید میں بھی وارد ہوا ہے کہ غصہ کو برداشت کرنے اور گویا اُسے پی جانے میں بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ و الکاظمین الغیظ و العافین عن الناس و اللہ یحب المحسنین۔ وہ غصہ کو برداشت کرنے والے اور لوگوں یعنی خطاکاروں کو معاف کرنے والے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ کظم غیظ وغضب اور عفو و درگزر نہ صرف اخلاقی اقدار میں ایک بڑے درجہ کی حامل ہیں بلکہ اُن میں برکاتِ الٰہیہ بھی پوشیدہ ہیں اور ان پر عمل کرنے والوں کے لیے بے پناہ اجر بھی۔ کیوں کہ غصہ میں آدمی اپنے اعصابی اعتدال بھی بسا اوقات کھو دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں ظلم وزیادتی اور حدود سے تجاوز کا بھی مرتکب ہوجاتا ہے۔ مولاناؒ نے اس ضمن میں پہلے ہی دفتر میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور ایک کافر کی حکایت بیان فرمائی کہ آپؓ نے ایک جنگ میں ایک کافر کو زیر کیا اور چاہا کہ اُس کے سینہ پر بیٹھ کر اس کا سر قلم کردیں اس نے آپؓ کے منہ پر تھوک دیا آپؓ کو شدید غصہ آیا اور بجائے اس کے کہ اور بے دردی سے اُسے قتل فرماتے اپنے عمل میں اخلاص وللّٰہیت کی وجہ سے اس کے سینہ سے اتر آئے۔

اس حکایت میں حضرت علیؓ اور کافر کے درمیان گفتگو کے ضمن میں، مولاناؒ نے حضرت علیؓ مرتضیٰ کے فضائل و مناقب اور ان کی شخصیت کی حقیقی تصویر کشی میں جو گوہر فشانی فرمائی اور عجیب وغریب نکات بیان کئے وہ ان ہی کا حصہ ہیں۔

از علیؓ آموز اخلاصِ عمل　　شیرِ حق را دان مُطہر از دَغل

در غزا بر پہلوانے دست یافت — زود شمشیرے برآورد وشتافت
او خدو انداخت بر روئے علیؑ — افتخارِ ہر نبی و ہر ولی
او خدو زد بر رُخے کہ روے ماہ — سجدہ آرد پیش او در سجدہ گاہ
افتخارِ ہر ولی و ہر صفی — کرد نارِ غیظ بر خود منطفی

یعنی اخلاص وللّٰہیت اور ضبطِ نفس کا عمل اگر سیکھنا ہو تو حضرت علیؑ سے سیکھو کیوں کہ وہ اللہ کے شیر ہر قسم کی نفسانی کھوٹ اور فریب سے پاک صاف ہیں۔ ایک جنگ میں انہوں نے ایک طاقتور کافر کو زیر کیا اور چاہا کہ جلدی سے سینہ پر چڑھ کر اس کا سر قلم کر دیں۔

اس نے ان (علیؑ) کے منہ پر تھوک دیا جو ہر نبی وولی کے لیے باعثِ فخر ہیں۔

اس نے اس چہرہ پر تھوکا جس کے سامنے چاند بھی سجدہ میں جھکتا ہے۔

ہر ولی و برگزیدہ کے لیے سرمایۂ افتخار علیؑ نے اپنے غصہ کی آگ کو بجھا دیا۔

آپؑ اُسے چھوڑ کر ہٹ گئے۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ آپؑ نے فرمایا اب تک میں تجھے اللہ کی راہ میں قتل کرنے جا رہا تھا مگر جب تو نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے غصہ آ گیا اور نفس شامل ہو گیا:

بندۂ شہوت بتر نزدیکِ حق — از غلام وبندگانِ مُسترق
کاین بیک لفظے شود از خواجہ حُر — وان زِید شیرین و میرد سخت مُر
بندۂ شہوت ندارد خود خلاص — جُز بفضل ایزد وانعام خاص
تیغِ حلمم گردنِ خشمم زدست — خشم حق بر من ہمہ رحمت شدست
من چنان مردم کہ بر خونِ خویش — نوشِ لطف من نشد در قہر نیش

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک نفسانی خواہشات کا غلام، رقیق بنائے ہوئے غلاموں سے زیادہ بُرا ہے۔

اس لیے کہ دنیاوی غلام تو ایک لفظ میں نے تجھے 'آزاد' کیا سے آزاد ہو جاتا ہے اور نفس کا غلام دنیاوی لذتوں میں مبتلا رہ کر سختی سے مرتا ہے۔

سوا اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وانعام کے شہوت میں گرفتار غلام کو چھٹکارہ نہیں ملتا۔

میری بردباری کی تلوار نے میرے غصہ کی گردن کو کاٹ دیا اور اللہ تعالیٰ کا غصہ وغضب میرے اوپر رحمت مجسم بن گیا۔

میں ایسا مرد ہوں کہ اپنے قاتل (حملہ آور) پر بھی میری مہربانی کا شیرہ قہر وغضب کا ڈنک نہ بنا۔

غصہ وغضب کی حالت میں بھی اپنی زبان کو بُرے لوگوں پر بھی طعن وتشنیع کرنے سے آلودہ نہ کرنا چاہیے اور نہ کسی کا مذاق اُڑانا چاہیے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اُڑاؤ، جس کا مذاق اڑا رہے ہو ممکن ہے وہ تم سے بہتر ہو، تو تم دُہرے گناہ کے مرتکب ہوگے:

رَو بترس وطعنہ کم زن بر بَدان　　پیشِ دامِ حلم عجز خود بدان

(دفتر اول)

پیشِ حکمِ حق بنہ گردن ز جان　　تسخر و طعنہ مزن بر دیگران

یعنی جاؤ اللہ سے ڈرتے رہو اور بروں پر بھی طعنہ زنی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے دام کے آگے اپنے عجز کو سمجھو۔ دل سے اس کے حکم کے آگے گردن جھکادو اور دوسروں پر مذاق اور طعن تشنیع نہ کرو۔

اکتساب رزق

انسان اگر اپنی روزی، روٹی جائز طریقہ سے حاصل کرے تو معاشرہ کی بہت سی خرابیوں کا انفرادی واجتماعی طور پر خود بخود سد باب ہوجائے گا۔ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ ہر اچھی بری چیز کا ایک سبب ہوتا ہے۔ حصولِ رزق کے لیے کسب لازمی ہے۔ مولاناؒ نے اس نکتہ کو بڑی خوبی سے سمجھایا ہے کہ پہلے گیہوں بونے کی زحمت اٹھاؤ، پھر اسے پانی دو، پک جانے پر کاٹو اور اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اکتساب کے صحیح اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے آدمی خود کفیل ہوتا ہے اور دوسروں پر بوجھ نہیں بنتا جس سے وہ دل تنگ نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں:

برتنِ خود بارِ خود نہ اے پسر　　برکسِ دیگر منہ زین الحذر

بارِ خود بر کس منہ بر خویش نہ　　سروری را کم طلب درویش بہ

مرکبِ اعناق مردم را مپای　　تا نیاید نقرست اندر دوپای

یعنی اے بیٹے! اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالو اپنے اوپر ہی رکھو۔ سرداری کے طلب گار مت بنو، درویشی بہتر ہے۔ لوگوں کی گردنوں پر مت سوار ہو تاکہ تمہارے پیروں میں نقرس نہ ہوجائے۔ (نقرس ایک قسم کا پیروں کا درد ہے جو عام طور پر انگوٹھے سے شروع ہوتا ہے۔ اسے ہندی میں راج روگ بھی کہتے ہیں۔)

شکر بھی مکارم اخلاق میں شامل ہے۔ اس کی بہت تاکید ہے اور خالق اور مخلوق دونوں کی شکر

گذاری نہ کرنے پر وعید ہے کہ اگر تم میری نعمتوں پر میرا شکر ادا کروگے تو میں تم کو مزید عطا کروں گا، اگر ناشکری کروگے تو جان لو کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ من لم یشکر الناس لم یشکر الله جس نے مخلوق کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خالق کا شکر ادا نہ کیا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ تم شکر کے گھوڑے کو بیدار کرکے چلاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی ہر ہر نعمت پر بندہ کے لیے صدہا شکر لازمی ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

''ہر نفسے کہ فرو میرود مُمِد حیات ست وچون بر می آید مُفرح ذات پس در ہر نفسے دو نعمت موجود ست و بر ہر نعمت شکرے واجب است''۔ یعنی ہر وہ سانس جو اندر جاتی ہے حیات انسانی میں اضافہ کرتی ہے اور جب باہر آتی ہے تو فرحت بخشتی ہے۔ اس لیے ہر سانس میں دو نعمتیں موجود ہیں اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے۔ حضرات صوفیہ صافیہ قدس سرہم نے اسی لیے اپنی ہر سانس کا ہمیشہ خیال رکھا اور شغل ''پاس انفاس'' پر عامل رہے۔ مولاناؒ مختلف مقامات پر شکر کے سلسلہ میں دُرہائے بے بہاء لُٹاتے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

شکرِ مُنعِم واجب آمد در خرد — ورنہ بکشاید درِ خشمِ ابد
(دفتر سوم)

سر بہ بخشد شکر خواہد سجدہٗ — پا بخشد شکر خواہد قعدہٗ
شکرِ نعمت نعمت افزون تر کُند — صد ہزاران گُل ز خارے سر کُند
شکرِ نعمت خوشتر از نعمت بود — شکر بارہ کے سوئے نعمت رَود
شکر جانِ نعمت و نعمت چو پوست — زان کہ شکر آرد ترا تا کوئے دوست
نعمت آرد غفلت و شکر انتباہ — صیدِ نعمت کُن بدامِ شکر شاہ
نعمتِ شکرت کند پُر چشم و میر — تا کُنی صد نعمت ایثار فقیر
نعمتِ وہاب را شکرے کنید — تاسرِ منحوس خود را نشکنید
شکرِ جذبِ نعمتِ وافر کُند — کفرِ نعمت شخص را کافر کُند

یعنی عقلی اعتبار سے انعام دینے والے کا شکر لازم ہے، ورنہ ابدی ناراضگی کا دروازہ کھُل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سر عنایت فرمایا ہے جس کا شکریہ یہ ہے کہ اس سے سجدہ کیا جائے، پاؤں عطا فرمائے جن کا شکریہ یہ ہے کہ اس کے لیے عبادت کی جائے اور قیام وقعود ہو۔

نعمت کا شکر نعمت کو زیادہ بڑھاتا ہے۔ لاکھوں پھول کانٹوں سے سر ابھارتے ہیں۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ شکر اور نعمت میں وہی نسبت ہے جو بدن و روح میں ہے۔ نعمت کا شکر، نعمت سے زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ شکر گزار انسان بھلا عذاب اور غضب الٰہی کا شکار کب ہوتا ہے؟

شکر، نعمت کی روح اور نعمت کھال کی طرح ہے کیوں کہ شکر ہی تم کو دوست کے کوچہ کی طرف لے جاتا ہے۔

نعمت غفلت پیدا کرتی ہے اور شکر، آگہی پیدا کرتا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ تم نعمتیں بخشنے والے کا شکر کر کے مزید نعمتیں حاصل کرو۔

کیوں کہ نعمت کا شکر تم کو بے نیاز اور بڑا بنادے گا پھر تم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دولت کو فقراء و مساکین پر تقسیم کرو گے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو اور ناشکری کر کے اپنے کو ذلیل وخوار نہ کرو۔

اپنا منحوس سر نہ پھوڑو کیوں کہ نعمتوں کا شکر مزید نعمتیں بخشتا ہے اور اس کا انکار انسان کو کافر بنادیتا ہے۔

بے ثباتی

مولاناؒ نے مثنوی شریف میں جا بجا ایسی مؤثر نصیحتیں فرمائی ہیں جو دنیا کی بے ثباتی، بے وفائی اور تقویٰ و پرہیزگاری کے لیے سنگ میل ہیں۔ ان نصائح پر عمل پیرا ہوکر انسان دونوں جہاں میں سرخروئی اور نجات کو اپنے لیے دم نقد کرسکتا ہے۔ انہوں نے دنیا کی دلفریبیوں، فتنہ سامانیوں اور رنگینیوں کے ذکر کے بعد اس کی بیوفائی اور سفاکی کے انجام کو بھی بتادیا اور آگاہ کردیا تاکہ عقلمند انسان عارضی زندگی کے آرام وآسائش میں پڑ کر اپنے اصلی مقصود و مطلوب سے بالکل آنکھیں نہ بند کرلے اور نفس جو اس کا سب سے بڑا دشمن ہے اپنے دام تزویر میں اسے گرفتار نہ کرسکے۔ زبانِ حال سے دنیا داروں کو اس کی نصیحت اور اس سے وفا ڈھونڈنے والوں کو اس کے انجام سے باخبر کرتے ہیں:

ہمچنین دنیا اگر چہ خوش شگفت — عیب خود را بانگ زد با جملہ گفت

(دفتر چہارم)

اندریں کون وفساد اے اوستاد — آن دغل کون ونصیحت دان فساد

کون می گوید بیا من خوش پیم — وان فسادش گفت رو من لاشیم

اے ز خوبی بہاران لب گزان　　بنگر آن سردی وزردیِ خزان
روز دیدی طلعتِ خورشید خوب　　مرگِ اورا یاد کن وقتِ غروب
بدر را دیدی برین خوش چار طاق　　حسرتش را ہم ببین اندر محاق
اے بدیدہ قوتہاے چرب، خیز　　فضلۂ آن را ببین در آبریز

یعنی دنیا بظاہر اگرچہ بہترین شگفتہ ہے مگر وہ ببانگ دہل سب کو اپنا عیب بتا دیتی ہے۔

اے استاد (انسان!) اس دنیاوی بناؤ بگاڑ میں بناؤ فریب، اور بگاڑ نصیحت ہے۔

دنیا کا بناؤ سنگھار تجھے اپنی طرف کھینچتا ہے اور بگاڑ اس کی بے ثباتی ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ہوں۔

اے بہاروں کی رونق و دلفریبیوں سے ہونٹ کاٹنے والے خزاں کی سردی وزردی کو بھی دیکھ لے۔

تو نے دن میں سورج کا حسین چہرہ دیکھ لیا تو غروب کے وقت اس کی موت (زوال) کو بھی یاد کر۔

تو نے حسین خیمہ (آسمان) پر چودھویں کا چاند دیکھا تو ذرا اس کے گھٹاؤ کے وقت اس کی حسرت بھی دیکھ۔

مرغن غذاؤں کے دیکھنے والے، جو تجھ کو بہت مرغوب ہیں، اٹھ اور پاخانہ میں جاکر ان کا فضلہ دیکھ کہ انجام یہ ہے۔

تقویٰ وپرہیزگاری کے ضمن میں گریہ وبکا کی فضیلت بیان کی ہے مگر اس کے لیے اخلاص ونیک نیتی اور خشیت الٰہی لازم ہے۔ حدیث شریف ہے لیس شیء احب الی الله من قطرتین. قطرة دموع من خشية الله و قطرة دم يهرق فی سبيل الله (اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اس کے خوف میں بہا اور دوسرا خون کا وہ قطرہ جو راہ حق میں بہایا جائے۔

حضرت یونسؑ کے قصہ میں (دفتر پنجم) مولاناؒ فرماتے ہیں کہ عاجزی اور آہ وزاری آسمانی بلا کے دفعیہ کے لیے تیر بہدف ہوتی ہے:

چون تضرع را برِ حق قدرہا ست　　آن بہا کانجا ست زاریرا کجا ست
با تضرع باش تا شادان شوی　　گریہ کن تا بیدہان خندان شوی
کہ برابر می نہد شاہِ مجید　　اشک را در فصل باخونِ شہید

ندبہ کرد واشکِ چشم خویش راند　　رحمت آمد وان غضب را دا نشاند

یعنی چونکہ آہ وزاری کی اللہ کی بارگاہ میں بڑی قیمت ہے اور جو وہاں ہے وہ کہیں نہیں۔
آہ وزاری کرو تا کہ تم خوش رہو اور تم کو دائمی مسرت وخوشی حاصل ہو۔
کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آنسو اور شہید کے خون کے قطرہ کو فضیلت وبزرگی میں برابر رکھا ہے۔
اس قوم نے تضرع وزاری کی اور آنسو بہائے تو رحمت الٰہی جوش میں آئی اور اپنے غضب کو فرو کر دیا۔

دونوں جہاں میں کامیابی تقویٰ اور نیکی سے ہی حاصل ہوتی ہے:

کارِ تقویٰ دارد و دین وصلاح　　کہ ازو باشد بدو عالم فلاح
(دفترششم)

راستی و نیک خوئی و حیا　　حلم و دینداری و احسان وسخا
(دفتردوم)

گویا یہ سات چیزیں بھی مکارم اخلاق میں اہم ہیں، سچائی، نیک خصلتی، شرم وحیا، برد باری، دین داری، احسان اور سخاوت۔

تکبر وخود بینی

دوسری جانب انہوں نے اخلاق ذمیمہ کو اپنی شخصیت سے دور رکھنے کے لیے جا بجا مختلف انداز سے متعدد تمثیلی حکایات درج کی ہیں مثلاً عجب وخود بینی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک بری عادت ہے اور اس کے مرتکب کو سوائے حسرت وندامت اور تکلیف ومصیبت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ خود بینی اور غرور میں انسان کو صرف دوسروں کی آنکھوں کا تنکے نظر آتا ہے، مگر وہ اپنی آنکھوں کے شہتیر سے یکسر غافل رہتا ہے۔ اس کو دوسروں کے معمولی عیب بھی اپنے بڑے عیوب کے سامنے بہت معلوم ہوتے ہیں اور وہ عیب جوئی میں لگ کر خوامخواہ اپنا نقصان کرتا ہے:

عیب جوئی غیر کی کرنا بُرا ہے مدعی　　خود نظر کرتا نہیں اپنے بُرے اعمال تو
(شاہ تراب علی قلندر کاکوروی)

مولاناؒ نے یہ بات اور اس کے ضمن میں بڑے قیمتی نصائح ایک دلپذیر حکایت کے ذریعہ بیان فرمائے ہیں۔ ایک شیر اور جنگلی جانوروں کے درمیان یہ طے ہوگیا کہ وہ روزانہ گھر بیٹھے شیر کو اس کی

غذا پہنچا دیا کریں گے، چنانچہ پہلے ہی دن ایک خرگوش کی باری آئی۔ وہ ایک دوروز تاخیر کر کے گیا۔ جیسے ہی بھوکے شیر نے اُسے دیکھا، غصہ سے اس سے دیر کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا راستہ میں ایک دوسرے شیر نے اُسے پکڑ لیا تھا۔ ہرچند منت سماجت کی مگر نہ چھوڑا۔ بڑی مشکل سے جان کی ضمانت دے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ یہ سنتے ہی بھوکا شیر غصہ میں آپے سے باہر ہوگیا اور پوچھا وہ کہاں ہے۔ ابھی چل کر اُسے سزا دیتا ہوں۔ خرگوش اُسے لے کر ایک کنویں کے کنارے گیا اور کہا وہ اس کے اندر ہے۔ شیر نے جھانکا تو اپنے ہی عکس کو شیر سمجھ کر حملہ کردیا اور ڈوب گیا۔

یہاں خود بینی کے مضرات کے ساتھ ساتھ ظالم کے انجامِ بد وغیرہ کا بھی پُر اثر بیان ہے:

شیر خود را دید در چہ و ز غلو — خویش را نشناخت آندم از عدو

(دفتر اول)

عکسِ خود را او عدوے خویش دید — لاجرم بر خویش شمشیرے کشید

اے بسا عیبے کہ بینی در کسان — خوی تو باشد در ایشان اے فلان

اندر ایشان تافتہ ہستیِ تو — از نفاق و ظلم وبدمستیِ تو

آن توئی وان زخم بر خود میزنی — بر خود آن دم تار لعنت می تنی

در خود این بد را نمی بینی عیان — ورنہ دشمن بودۂ خود را بجان

ہرکہ دندانِ ضعیفے می کند — کارِ آن شیرِ غلط بین می کند

پیشِ چشمت داشتی شیشہ کبود — زان سبب عالم کبودت می نمود

اے تو شیرے در تگِ این چاہ دہر — نفس چون خرگوش، خون ریزد بقہر

شیر نے غرور وخود بینی سے کنویں میں (جھانک کر) اپنے آپ کو دیکھا اور اپنی ذات اور دشمن (دوسرے شیر) میں فرق نہ کرسکا۔

اپنے عکس کو اپنا دشمن سمجھ کر اپنے اوپر تلوار کھینچ لی۔

اے دوسروں میں عیب ڈھونڈنے والے! تو دوسروں کی ذات میں جو عیب دیکھتا ہے وہ اکثر وبیشتر سب تجھ میں ہی ہوتے ہیں۔

ان میں تیرے نفاق، ظلم اور بدمستی سے تیری ہی ہستی نمایاں ہورہی ہے۔

وہ تو ہی ہے اور زخم بھی اپنے آپ کو تو ہی لگا رہا ہے اور اپنے ہی اوپر لعنت کے تاروں کو بُن

رہا ہے۔

تو اپنی ذات میں اس بدی کو نمایاں نہیں پاتا ہے ورنہ تو خود اپنی ذات کا دشمن بنا ہوا ہے۔

جو کسی کمزور پر ظلم کرتا ہے وہ اس غلط بیں شیر کا کام کرتا ہے۔

تو نے اپنی آنکھوں پر اندھا چشمہ لگا رکھا ہے، اس وجہ سے دنیا تاریک دکھائی دے رہی ہے۔

اے غافل! تو شیر کی طرح زمانہ کے اس کنویں کی گہرائی میں پڑا ہے اور تیرا نفس اس خرگوش کی طرح تیرا خون بہاتا ہے۔

مولانا قدس سرہٗ نے اول، چہارم اور پنجم دفاتر میں تکبر اور خود بینی کے نقصانات کو جا بجا بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ باہمی اختلافات کا سب سے بڑا سبب بھی یہی تکبر ہے۔ ع

خود مبین تا بر نیارد از تو گرد

یعنی خود پسند مت بنو تا کہ برباد نہ ہو

شُکر کُن، غرّہ مشو، بینی مکن — گوش دار و ہیچ خود بینی مکن

صد دریغ و درد کاین عاریتے — معجبان را دور کرد از اُمّتے

صد ہزاران سال ابلیس لعین — بود ز ابدال و امیر المؤمنین

پنجہ زد با آدم از نازیکہ داشت — گشت رُسوا ہمچو سرگین وقت چاشت

پنجہ با مردان مَزن اے بوالہوس — برتر از سلطان چہ می رانی فَرَس

تُرہات از دعوی و دعوت مگو — رو سخن از کبر و از نخوت مگو

نخوت و دعوی و کبر و تُرہات — دور کن از دل کہ تا یابی نجات

کبر زشت و از گدایان زشت تر — روزِ سرد و برف وانگہ جامہ تر

چند آخر دعوی وبادِ بروت — اے ترا خانہ چو بیت العنکبوت

یعنی شکر کرو، گھمنڈ نہ کرو، انکار نہ کرو، غور سے سنو، تکبر ہرگز مت کرو۔

افسوس کہ اس عارضی فضل و کمال جیسی چیز نے متکبروں کو امتِ مسلمہ سے دور کر دیا۔

شیطان مردود لاکھوں سال ابدال میں سے اور فرشتوں کا سردار رہا۔

لیکن تکبر کی وجہ سے حضرت آدمؑ کے مقابلہ میں آ گیا اور اس طرح ذلیل وخوار ہوا جیسے دن چڑھے گوبر۔

اے بوالہوس! مردان خدا کا مقابلہ مت کر! بادشاہ کی سواری سے اپنی سواری آگے بڑھانا حد سے تجاوز کرنا ہے۔

جا تکبر و غرور، بناوٹی باتیں مت کر۔ اپنا حال دیکھ اور شرم کر! یہ دنیا داری اور کروفر کی باتیں کب تک کرے گا؟

تکبر، دعویٰ، غرور اور بکواس دل سے نکال دے تا کہ تجھے نجات حاصل ہو جائے۔

تکبر بہت بُرا ہے اور مفلسوں سے تو اور بُرا ہے یعنی جاڑوں کا برف اور پھر بھیگے ہوئے کپڑے، ستم بالائے ستم۔

تو دعوے اور مونچھوں پر تاؤ کب تک دیتا رہے گا۔ تیرا گھر مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے۔

از تکبر جملہ اندر تفرقہ　　مردہ از جان زندہ اندر محرقہ

یعنی تکبر اور خود بینی کی وجہ سے سب لوگ تفرقہ میں پڑے ہیں۔ روحانی اعتبار سے مردہ اور جلا دینے والی چیز کے بارے میں زندہ ہیں۔

اے خُنک آن را کہ ذلّت نفسۂ　　وای آن کز سرکشی شد چون کہ او

(دفتر چہارم)

این تکبر زہرِ قاتل وان کہ ہست　　از مے پر زہر گشت آن گیج و مست

نردبانِ خلق این ما و منی ست　　عاقبت این نرد بان افتادنی ست

این فروع ست و اصولش آن بُود　　کہ ترفع شرکت یزدان بود

یعنی دنیا میں عاجزی و فروتنی اختیار کرنے والے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ وہ شخص قابل مبارک باد ہے جس کا نفس خاکسار بنا اور اُس پر افسوس ہے جو سرکشی سے پہاڑ کی طرح بن گیا۔

اس تکبر کو تم زہر ملی ہوئی شراب سمجھو جو شرابی کی جان میں رفتہ رفتہ اثر کر کے اسے ہلاک کر دیتی ہے۔

یہ خودی، خود بینی اور تکبر مخلوق کے لیے سیڑھی ہیں ان پر جو کوئی چڑھا اسے انجام کار زمین پر گرنا ہی ہے۔

تکبر کی یہ سب مضرتیں تو فروعی ہیں اصل بات یہ ہے کہ تکبر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خدائی میں شرکت کا دعویٰ ہے جس کا انجام تباہی ہے۔

مولاناؒ نے خود پسندوں کو اس کے انجام بد سے ڈرایا ہے کہ ع

عجب آرد عجبان را صد بلا

یعنی خود پسندی، خود پسندوں کو سیکڑوں بلاؤں و مصیبتوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

از منی بودی منی را وا گذار　　اے ایاز آن پوستین را یاد دار

یعنی انسان منی سے پیدا ہوا ہے لہٰذا اسے منی (غرور وتکبر) کو چھوڑ کر اپنی اصل پر ہر دم نگاہ رکھنی چاہیے، بلاوجہ اس نے دنیا میں غلط شان وشوکت بنائی ہے۔

در مقام سنگی وانگاہ اَنا　　وقتِ مسکین کشتنِ تست و فنا

یعنی اے انسان تو پتھر کی جگہ ہے اور پھر بھی تکبر، حالاں کہ تیرے مسکین بننے اور فنا ہونے کا وقت بہت ہی قریب ہے۔

حرص وطمع

کردار سازی کے لیے جن اخلاق ذمیمہ کو چھوڑنا لازمی ہے ان میں حرص وطمع بھی ہے جو قناعت، توکل، صبر، سخاوت اور بذل وایثار کی ضد ہے۔ حرص وطمع کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ جہاں یہ انسان کے لیے لامتناہی خواہشات پیدا کرتی ہے، وہاں اس کے ذہنی سکون کو بھی غارت کر دیتی ہے۔ مولاناؒ نے ایک کامیاب معلم اخلاق کی حیثیت سے انسان کو اس سے بچنے کی مؤثر طریقوں سے جا بجا تلقین فرمائی ہے:

صاف خواہی چشمِ عقل و سمع را　　بر دران تو پردہ ہائے طمع را

(دفتر دوم)

زان کہ آن تقلیدِ صوفی از طمع　　عقل او بربست از نور و لمع

زان کہ صوفی را طمع بردش زراہ　　ماند در خسران وشد کارش تباہ

گر طمع در آئینہ بر خاستے　　در نفاق آن آئینہ چون ماستے

گر ترازو را طمع بودے بمال　　راست کے گفتے ترازو وصفِ حال

ہر کرا باشد طمع اَلکن شود　　با طمع کے چشم دل روشن شود

ہر ندائے کان ترا حرص آورد　　بانگِ گرگے دان کہ او مردم درد

یعنی اگر تو عقل کے آنکھ کان صاف رکھنا چاہتا ہے تو لالچ کے پردوں کو چاک کر دے۔

اس لیے کہ محض لالچ ہی کی وجہ سے اُس صوفی کی تقلید نے اس کی عقل کو نور و چمک سے دور کردیا۔
اس کے لالچ نے اُسے راہ سے بے راہ کیا، وہ خسارہ میں جا پڑا اور اس کا کام برباد ہوا۔
لالچ ایسی بری چیز ہے کہ اگر وہ آئینہ میں پیدا ہوجائے تو وہ بھی نفاق میں ہم جیسا ہوجائے۔
اگر ترازو کو اس میں تولے جانے والے مال کا لالچ ہوتا، تو وہ سچی بات کب بتاتی؟
جس میں لالچ ہوتا ہے وہ گونگا بن جاتا ہے کیوں کہ حرص وطمع کے ساتھ باطن کی آنکھ بھلا کب روشن ہوتی ہے؟
جو آواز بھی تجھ میں لالچ پیدا کرے اُسے یہ سمجھ کہ وہ اس بھیڑیے کی آواز کی طرح ہے جو انسانوں کو پھاڑ کھاتا ہے۔

از حریصی کم دران روئے قنوع   وز تکبر کم دران چہرہ خشوع
بگسل آن حبل کہ حرص ست وحسد   یاد کن فی جیدھا حبل من مسد
حرص کورت کرد ومحرومت کند   دیو ہمچون خویش مرجومت کند
حرص کور و احمق و نادان کند   مرگ را بر احمقان آسان کند
(دفترِ پنجم)

یعنی حرص وطمع کی وجہ سے اپنے قناعت پسند چہرہ کو اور تکبر و انانیت کی بنا پر عاجزی وتواضع کے چہرہ کو زخمی نہ کر۔
حرص وطمع اور حسد کی رسی کو توڑ دے اور ابولہب کی بیوی کی گردن کی رسی کو یاد کر۔ قرآن پاک میں ہے فی جیدھا حبل من مسد۔ اس کی گردن میں مونج کی موٹی رسی ہے یعنی اس کی یہ حالت صرف حرص وحسد کی وجہ سے ہوئی تھی۔
لالچ انسان کو اندھا اور محروم کردیتا ہے اور شیطان اپنی طرح سنگسار کردیتا ہے۔
حرص وطمع انسان کو احمق و بیوقوف بناتے ہیں اور موت کو اس پر آسان کردیتے ہیں:

بر تو ہم طمعِ خوشیِ این جہان   شد حجاب آن خوشیِ جاودان
(دفترِ سوم)

طمع و ذوقِ این حیات پر غرور   از حیاتِ راستینت کرد کور
پس طمع کورت کند نیکو بدان   بر تو پوشاند یقین را بیگمان

حق ترا باطل نماید از طمع ور تو صد کوری فزاید از طمع
از طمع بیزار شو چون راستان تا نہی پا بر سرِ آن آستان

یعنی تیرے لئے بھی اس دنیاوی زندگی کی خوشی کا لالچ اُس دائمی خوشی کے واسطہ پردہ بن گیا۔
اور دھوکے سے بھری اس زندگی کے لالچ نے تجھ کو سچی وحقیقی زندگی سے اندھا کردیا۔
اچھی طرح سمجھ لے کہ لالچ تجھے اندھا کرتا ہے اور تجھ سے یقین کو پوشیدہ رکھتا ہے۔
جس کی وجہ سے حق باطل نظر آتا ہے اور تیرے اندھے پن میں حد درجہ اضافہ ہوجاتا ہے۔
بچوں کی طرح تو لالچ سے بیزار ہوجا تاکہ تو بارگاہ خداوندی میں قدم رکھ سکے:

این جہان دام است و دانہ اش آرزو ور گریز از دامہائے آرزو رو
(دفترششم)

آرزو بگذار تا رحم آیدش آزمودم کاین چنین می بایدش

یعنی یہ دنیا ایک جال ہے اور آرزو اس کا دانہ ہے لہٰذا حرص و ہوا کے جالوں سے جلدی بھاگ لے، ورنہ اس کا شکار ہوجائے گا۔
حرص و آرزو کو چھوڑ دے تاکہ اللہ تعالیٰ کو تجھ پر رحم آجائے۔ میں آزما چکا ہوں کہ اس کو یہی چاہیے ہے۔

حسد اور بغض

حسد اور بغض انسانی شخصیت کی بدترین برائیاں ہیں۔ حسد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی پناہ مانگی ہے۔ اللھم اجعلنی محسودا ولاتجعلنی حاسدا۔ اے اللہ! مجھے محسود بنادے یعنی دوسرے مجھ سے حسد کریں مگر حسد کرنے والا نہ بنا۔ کلام پاک میں تو حاسد کے حسد اور شر سے پناہ مانگنے کا حکم آیا ہے۔ ومن شر حاسد اذا حَسد (اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرتا ہے) حسد انسان کی دوسری خوبیوں کو اسی طرح نیست ونابود کردیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو۔ حاسد کو کسی پل چین نہیں ملتا اور وہ ہردم حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ بزرگوں نے اپنی تعلیمات میں جابجا بغض وحسد کی مذمت فرمائی ہے اور اسے ضلالت وگمراہی سے تعبیر کیا ہے۔ ایک خدا رسیدہ بزرگ سے ایک مرید نے عرض کیا کہ حضور حدیث شریف ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹے

گی۔ ایک نجات یافتہ اور باقی گمراہ ہوں گے تو وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ نے ان کو فوری اور تسلی بخش جواب دینے کی خاطر فرمایا کہ بتاؤ حسد کے اعداد حروف تہجی کے اعتبار سے کتنے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ح+س+د، ۸+ ۶۰+ ۴ = ۷۲ فرمایا بس سمجھ لو کہ جو فرقہ حسد سے پاک صاف ہے وہی نجات یافتہ ہے۔

مولاناؒ نے مثنوی میں جا بجا بڑے دلپذیر و دل نشیں انداز میں اس مذموم عادت سے خبردار کیا اور اس کے مضرات سے آگاہ فرمایا ہے۔ حسد کی وجہ یہ فرماتے ہیں:

آن کسے کہ مثلِ خود پنداشتی　　زان سبب با او حسد برداشتی

یعنی حسد کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو نے دوسروں کو اپنے برابر سمجھا ہے اور پھر اُن سے حسد کیا۔

تو حسودی کز فلان من کمترم　　می فزاید کمتری در اخترم

(دفتر دوم)

خود حسد نقصان و عیبِ دیگر ست　　بلکہ از جملہ بدیہا بدتر ست

آن بلیس از ننگ و عار کمتری　　خویشتن افگند در صد ابتری

از حسد می خواست تا بالا بود　　خود چہ بالا بلکہ خون پالا بود

آن ابوجہل از محمدؐ ننگ داشت　　وز حسد خود را ببالا می فراشت

بوالحکم نامش بُد و بوجہل شد　　اے بسا اہل از حسد نااہل شد

کین مدار آنہا کہ از کین گُمر ہند　　گورِشان پہلوئے کین داران نہند

اصل کینہ دوزخست وکین تو　　جزو آن کُل ست و خصمِ دین تو

ہان و ہان ترکِ حسد کن با شہان　　ورنہ ابلیسے شوی اندر جہان

جملہ کوران را دوا کن جُز حسود　　کز حسودی بر تو می آرد جحود

مر حسودت را اگرچہ آن منم　　جان مدہ تاہم چنین جان می کنم

آن کہ او باشد حسودِ آفتاب　　کور می گردد زبودِ آفتاب

یعنی تم اس بات پر حسد کرتے ہو کہ میں فلاں سے کم ہوں۔ وہ میری قسمت میں کمتری بڑھا رہا ہے یعنی حاسد حسد کرکے اپنی پریشانی اور مصائب میں مزید اضافہ کرتا ہے۔

خود حسد ایک دوسرا عیب اور نقصان ہے بلکہ تمام برائیوں سے بدتر ہے۔

شیطان نے کمتری کی ذلت وعار سے اپنے آپ کو سیکڑوں بربادیوں میں پھنسا لیا یعنی حضرت آدمؑ سے حسد کیا اور مردود بارگاہ ایزدی ہوگیا۔

اُس نے حسد کی وجہ سے چاہا کہ بلند مرتبہ بن جائے۔ بلند مرتبہ تو خیر کیا ہوتا، تباہ ہوگیا۔

ابوجہل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذلت محسوس ہوئی۔

وہ حسد کی وجہ سے اپنے آپ کو بلند بالا رکھتا تھا۔ اس کا نام ابوالحکم تھا، ابوجہل بیوقوف و نادان ہوگیا۔ بہت سے لوگ حسد کی وجہ سے نا اہل بنے۔

کینہ پروری مت کرو۔ کینہ کی وجہ سے گمراہ لوگوں کی قبر کینہ وروں کے برابر بنائی جائے گی یعنی ان کا انجام ان ہی کے ساتھ ہوگا۔

کینہ کا اصل ٹھکانہ دوزخ ہے اور تمہارا کینہ اس کا جز ہے اور تمہارا دشمن ہے۔

خبردار، خبردار! بادشاہوں (بڑوں) سے حسد کرنا چھوڑ دو، ورنہ تم دنیا ہی میں شیطان ہوجاؤ گے۔

جو حسد کی وجہ سے تمہارا (حضرت حسام الدین چلپی) بدخواہ اور منکر ہے اس حاسد پر تصرف مت کرو۔

حاسد کسی حال میں بھی فیضیاب نہیں ہوسکتا! خواہ وہ خدانخواستہ میں ہی کیوں نہ ہوں۔

جو سورج سے حسد کرتا ہے وہ سورج کی تابناکی سے اندھا ہوجاتا ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ حسد، بغض اور کینہ کا تعلق شیطان سے ہے۔ اس لیے اگر کبھی تم کو حسد پیدا ہو تو توبہ کرو اور اس کو شیطانی وسوسہ سمجھ کر دفع کرو کیوں کہ شیطان کو بندوں کے دل میں حسد پیدا کرنے سے خاص تعلق ہے۔ انہوں نے اس شخص کو بڑا خوش نصیب فرمایا ہے جو اس لعنت سے دور ہے:

کوزِ آدم ننگ دارد از حسد — با سعادت جنگ دارد از حسد
(دفتر اول)

عقبۂ زین صعب تر در راہ نیست — اے خنک آن کش حَسد ہمراہ نیست
این جسد خانہ حسد آمد بدان — کز حسد آلودہ گردد خاندان
خانمان ہا از حَسد گردد خراب — باز شاہی از حسد گردد غراب
چون کنی با بے حسد مکر وحسد — زان حسد دل را سیاہیہا رسد
خاک شو مردانِ حق را زیر پا — خاک بر سر کن حَسد را ہمچو ما

ہر کسے کو از حسد بینی کند　　خویش را بے گوش و بے بینی کند

یعنی شیطان صرف حسد کی وجہ سے آدم سے ذلت محسوس کرتا اور حسد کی خاطر نیک بختی وسعادت سے لڑتا ہے۔

حسد سے بڑا کوئی عیب نہیں۔ وہ شخص بہت خوش نصیب ہے جو کسی سے حسد نہیں کرتا ہے۔

سمجھ لو کہ یہ جسم حسد کی پناہ گاہ ہے۔ حسد میں پورا خاندان مبتلا ہوکر تباہ ہوجاتا ہے۔

اس سے گھرانے کے گھرانے تباہ ہوجاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے باز جیسا شاہی پرندہ کوا جیسا نجاست خور بن جاتا ہے۔

خوب یاد رکھو کہ جب تم کسی صاف دل کے ساتھ مکر وحسد کروگے تو اس حسد سے دل میں سیاہیاں پیدا ہوں گی۔

ہماری طرح حسد پر خاک ڈال کر مردان خدا کے پیروں کی خاک بن جاؤ۔

جو شخص حسد کی وجہ سے اپنی ناک کاٹتا ہے وہ اپنے آپ کو ہی بے کان وبے ناک کر ڈالتا ہے یعنی حاسد کا حسد خود اسی کو لے ڈوبتا ہے۔ "بدا بصاحبه فقتله"۔

حاسد کے حسد سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے کیوں کہ حسد کسی نہ کسی شکل میں محسود پر اثر انداز ہوتا ہی ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ حسد اور نظر بد سے تو آسمان کی گردش اور رفتار تک پلٹ جاتی ہے:

کز حسد وز چشم بد بے ہیچ شک　　سیر و گردش را بگرداند فلک

(دفتر پنجم)

کینہ وحسد سے مقبول، مردود اور انسان شیطان بن جاتے ہیں۔ عام طور پر حسد بھی صرف دنیاوی فانی چیزوں پر کیا جاتا ہے مثلاً دنیاوی جاہ وعزت وشہرت، مال ومتاع، علم رسمی، حسن وجمال، جن کی کچھ وقعت نہیں۔ عامۃ الناس بلا وجہ حسد کی آگ میں جل جل کر اپنا نقصان کرتے ہیں۔ امرا وبادشاہ اور حکام ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کرتے ہیں۔ ایک مُلک دوسرے ملک پر فوج کشی کرتا ہے، ایک دوسرے کی جان لیتا ہے، اپنوں، پرایوں کا ناحق خون بہاتا ہے اور اپنے سر اس سب کا وبال لے جاتا ہے۔ مولاناؒ ایک دردمند دل سے ان کے لیے دعا کرتے ہیں اور ایسے تمام لوگوں کو مختلف مثالوں کے ذریعہ متنبہ اور آگاہ فرماتے ہیں اور اس کے بُرے انجام سے ڈراتے ہیں:

وز حسودی باز شان خر اے کریم — تا نباشد از حسد دیوِ رجیم
در نعیمِ فانی و مال و جسد — چون ہمی سوزند عامہ از حسد
بادشاہان بین کہ لشکر می کشند — از حسد خویشانِ خود را می کشند
عاشقانِ لعبتانِ پُر قدَر — کردہ قصدِ خون وجانِ یک دِگر
یوسفان از مکر اخوان درچہ اند — کز حسد یوسف بگرگان می دہند
از حسد بر یوسف مصری چہ رفت — این حسد اندر کمین گرگیست زفت
گرگ ظاہر گرد یوسف خود نگشت — این حسد درفعلِ از گرگان گزست
(دفترششم)

بہت سے یوسف بھائیوں کی مکاری کی وجہ سے کنویں کے اندر ہیں کیوں کہ وہ حسد کی وجہ سے یوسف کو بھیڑیوں کو دیدیتے ہیں۔ حسد کی وجہ سے یوسفِ مصر پر کیا گزری؟ یہ حسد چھپا ہوا موٹا بھیڑیا ہے۔ ظاہری بھیڑیا حضرت یوسف کے پاس بھی نہ آیا یہ حسد کارنامہ میں بھیڑیوں سے بھی بڑھ گیا۔

مزید برآں انہوں نے حسد کی مذمت، اس کی شدت، عمومیت اور پھر اس کے دفعیہ کی تدابیر بھی موثر انداز میں بیان فرمائی ہیں۔ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ نرم دل، مشفق ومہربان ہوتی ہیں لیکن ان کے دلوں میں بھی جب حسد پیدا ہوجاتا ہے تو دو سوکنیں ایک دوسرے کو کھا جاتی ہیں۔ ایک کو دوسرے کا وجود برداشت نہیں ہوتا، جب عورتوں کا یہ حال ہے تو مرد تو کہیں زائد سنگدل ہوتا ہے وہ کس حد تک چلا جاتا ہے۔

این زنانی کز ہمہ مشفق تر اند — از حسد دو ضرہ خود را می خورند
تا کہ مردانی کہ خود سنگین دل اند — از حسد اندر کدامین منزل اند

بخل وکنجوسی

بخل اور کنجوسی انسانی شخصیت کے لیے رذائل میں شمار کئے جاتے ہیں یہ بے غرضی، فیض رسانی، خدمت خلق اور بذل وایثار کی ضد ہے۔ بخل کی مذمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ ''اللہ پر ایمان رکھنے والے کی ذات میں بخل کی سمائی ہو ہی نہیں سکتی۔ مولاناؒ نے جا بجا بخل

وامساک کی برائی بیان فرمائی ہے۔

کاے خدایا ممسکان را در جہان　　تو مدہ الّا زیان اندر زیان

(دفتر اول)

اے خدایا منفقان را دہ خلف　　اے خدایا ممسکان را دِہ تلف

ہر کہ کارد گردد انبارش تہی　　لیکش اندر مزرعہ باشد بہی

وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد　　اُسپش و موشِ حوادثہا س خورد

یعنی اے خدا! تو بخیلوں کو دنیا میں ہی تباہی دے۔ خرچ کرنے والوں کو ان کے مال کے عوض اچھا بدلہ دے اور کنجوسوں و بے فائدہ لوگوں کو تباہ و برباد فرمادے۔ یاد رکھو کہ جو بوتا ہے یعنی اپنا مال خرچ کرتا ہے اس کا ڈھیر خالی ہوجاتا ہے مگر بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کو کھیتی میں ڈھیروں غلہ واناج عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح بخل وامساک نہ کرنے والا انسان اللہ تعالیٰ کے بڑے عطیات وبخششوں سے نوازا جاتا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ جو اپنے اناج کو ذخیرہ کرکے رکھتا ہے، اس کو حوادث کے گھُن اور چوہے کھا ہی جاتے ہیں اور وہ کفِ افسوس ملتا ہے۔

ظلم واستبداد بھی عالم انسانیت کے لیے ناسور ہے، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، ہر حال میں قابلِ نفرت و لائقِ مذمت ہے۔ کلام مجید اور احادیث مبارکہ میں اس سلسلہ میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ مولاناؒ نے ظلم اور ظالم کی مذمت شدت سے فرمائی اور اس کے بُرے انجام سے باخبر کیا اور فرمایا کہ ظالموں کے ظلم کا انجام تباہی و بربادی اور اندھیرا غار ہے:

چاہِ مُظلم گشت ظلمِ ظالمان　　این چنین گفتند جملہ عالمان

(دفتر اول)

ہر کہ ظالم تر چشش باہول تر　　عدل فرمود ست بدتر را بتر

اے کہ تو از ظلم چاہے می کنی　　از برائے خویش دامے می تنی

بر ضعیفان گر تو ظلمے می کنی　　دان کہ اندر قعرِ چاہ بے بُنی

گرد خود چون کرم پیلہ بر متن　　بہر خود چہ میکنی اندازہ کُن

یعنی تمام واقف کاروں نے یہی بتایا ہے، ظالموں کا ظلم اندھیرا کنواں تھا (ہوتا ہے)

جان لو کہ جو جتنا بڑا ظالم ہے اس کی تباہی کا کنواں اتنا ہی خطرناک ہے۔ حقیقی منصِف کا انصاف

یہی ہے کہ جو بدتر ہے اس کو بدتر بدلہ ملے گا۔

تم جو ظلم وستم کے ذریعہ دوسروں کے لیے تباہی کا کنواں کھودتے ہو، درحقیقت اپنی بربادی کے سامان کر رہے ہو۔

اگر تم کمزوروں پر ظلم کروگے تو یاد رکھو کہ انجام کار تم خود تباہی کے گہرے کنویں میں جا گروگے۔

ریشم کے کیڑے کی طرح اپنی چاروں طرف جال نہ بنو ورنہ اس کی طرح تم بھی ہلاک ہوجاؤ گے۔

دنیا میں کمزوروں کا حال بیان کرنے کے بعد ظالموں کے ظلم کے انجام بد بیان فرمانے کے ساتھ کہتے ہیں:

اے زبون گیرِ زبونان این بدان — دست ہم بالایِ دست است اے جوان
کہ ہلاکت دادشان بے آلتے — او قرینِ تست در ہر حالتے
حق شکنجہ کرد وگرز و دست نیست — پس بدان بے دست حق داور کنیست
در نگر احوالِ فرعون و ثمود — قومِ لوطؑ و قوم صالحؑ قومِ ہودؑ
حالِ نمرودِ ستمگر در نگر — در مآلِ قومِ نوحؑ افگن نظر

یعنی عاجزوں و کمزوروں پر ظلم کرنے والو یہ خوب سمجھ لو کہ تمہارے ہاتھ کے اوپر بھی کسی کا ہاتھ ہے۔ صرف تم ہی زبردست نہیں ہو۔

جان لو کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی آلہ اور ہاتھ کے زیادتی کی سزا دیتا ہے۔ وہ ہر حالت میں تمہارے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو قبضہ قدرت میں جکڑ لیا تو سمجھ لو کہ وہ بغیر کسی ظاہری ذریعہ کے سزا دینے والا ہے۔

فرعون، ثمود، قوم لوطؑ، قوم صالحؑ اور جابر نمرود، قوم نوحؑ، قوم ہودؑ وغیرہ کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ظلم واستبداد کا کیسا بدلہ دیا اور ظالموں کو برباد کرنے میں اسے کوئی باک نہیں ہے۔

واضح رہے کہ مولانا روم نے اپنے منظوم کلام میں مختلف النوع اخلاقی محاسن کے بیان کے ذریعہ دنیای بشریت کی ہدایت و رہنمائی کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ رشد و ہدایت وہ عظیم فریضہ ہے جس کے لئے خداوند عالم نے فقط آسمانی کتب کا اہتمام نہیں کیا بلکہ کتاب کے ساتھ صاحبان کتاب بھی آئے اور اپنے عملی نمونوں کے ذریعہ بنی نوع انسان کی ہدایت کا کام انجام دیا اور ان کی پیروی میں عرفاء

نے ان کے ارشادات اور الٰہی فرمودات کو ہر زمانہ میں بہتر اور مؤثر انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ مولانا روم کی مثنوی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے پس ''ہست قرآن در زبان پہلوی'' سے یہ بات ہرگز مقصود نہیں ہے کہ یہ مثنوی قرآن کی ہم پلہ یا عین قرآن ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ مولانا نے اس مثنوی میں قرآنی تعلیمات اور نبوی ارشادات کو ایسے دلکش پیرایہ میں پیش کیا ہے کہ بنی نوع انسان کی خاطر خواہ ہدایت یقینی ہے بشرطیکہ اس کا قلب عشق الٰہی سے سرشار اور حق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو۔